درس قرآن

مقاصد، اہداف اور طریقہ کار

ابو معاویہ مولانا مفتی محمد ایاز حفظہ اللہ

العلم پبلیکیشنز محلہ جنگی پشاور
091-2590315

فہرست مضامین

پیش لفظ	318
تاریخ، تحریک رجوع الی القرآن	323
فہم قرآن شیخ الہند رحمہ اللہ کی نظر میں	327
فہم قرآن علامہ انور شاہ محدث کشمیری رحمہ اللہ	328
فہم قرآن میں استقامت	328
قرآن کا پیغام	329
ایک مستشرق کے الفاظ ہیں	335
درس قرآن اور فہم قرآن کی ضرورت واہمیت	339
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ	341
قرآن کریم سے تعلق کا اثر	342
فہم قرآن اور درس قرآن کا تعارف اور ضرورت	343
حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ	343
فہم قرآن کی اہمیت	344
فہم قرآن 'قرآن کے نظر میں	344
عدم فہم قرآن، قرآن کریم کے روشنی میں	345
عدم فہم قرآن احادیث کی روشنی میں	346
فہم قرآن اقوال سلف کی روشنی میں	347
تدبر قرآن	349
تدبر کا معنی و مفہوم	349
تدبر کی اہمیت قرآن کریم سے	349
تدبر قرآن کے طریقے	349
تدریس کا طریقہ	353
اسلاف سے چند نمونے	353
ایک علمی لطیفہ	354
درس کے مقاصد	355

- درس کی تیاری 357
- ایک عالم کا علمی پیاس 357
- تفسیر ماجدی رحمہ اللہ کے خصوصیات 359
- فہم قرآن میں عربی تفاسیر کا کردار 361
- فہم قرآن میں جدید عربی تفاسیر 362
- ایک اعتراض اور اس کا جواب 367
- قرآن کریم اور جدید تحقیقات 364
- فہم قرآن اور سائنسی تحقیقات 365
- فہم قرآن اور جدید تحقیقات 365
- فہم قرآن اور میڈیکل تحقیقات 367
- درس کے آداب 368
  - پہلا ادب......اخلاص 368
  - دوسرا ادب......اپنا محاسبہ 368
  - تیسرا ادب......دعا مانگنا 369
  - مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور دعا 369
  - چوتھا ادب......ظاہر و باطن کی صفائی 370
  - پانچواں ادب......آسان زبان میں سمجھانا 371
  - چھٹا ادب......اپنے موضوع سے نہ ہٹنا 371
  - ساتواں ادب...... مستند بات کہنا 371
  - آٹھواں ادب...... تصنع سے پاک بیان 372
  - نواں ادب...... نفسیات کا لحاظ رکھنا 372
  - دسواں ادب......زمانہ حال سے مناسبت 373
  - گیارہواں ادب......فرقہ واریت سے بچنا 373
  - بارہواں ادب...... سنجیدہ اور باوقار ہونا 373
  - تیرھواں ادب......آخر میں خلاصہ بیان کرنا 374
  - چودھواں ادب......درس کو ٹیپ کرنا 374

○ پندرھواں ادب...... حکمت کو ملحوظ نظر رکھنا 374
○ سولہواں ادب...... عظمت قرآن کو اجاگر کرنا 375
✪ درس کی قسمیں 378
✪ تدریس قرآن کا انداز 379
✪ درسِ قرآن کی تیاری کیسے کریں۔۔؟ 381
✪ درس کی تیاری کے تین مراحل 382
✪ ایک اہم گزارش 382
○ پہلا کام... عبارت اور لفظی ترجمہ پر توجہ 382
○ دوسرا کام... متعلقہ درس کا خلاصہ 383
○ تیسرا کام... مشکل لغات کا حل 383
○ چوتھا کام : موضوع اور مرکزی خیال 383
○ پانچواں... سوالات اور نکات 384
○ چھٹا : تفاسیر کا مطالعہ 384
✪ درس قرآن کے بنیادی اصول 385
○ ا... درس قرآن کے مقصد کا تعین کر لیجیے 385
○ ۲... اپنی صحیح حیثیت کا تعین کر لیجیے 385
○ ۳... تیاری کے بغیر درس نہ دیجیے 386
○ ۴... جملہ معترضہ طویل نہ ہونے پائے 386
○ ۵... مستند واقعات بیان کیجیے 386
○ ۶... لفّاظی سے اجتناب کیجیے 386
○ ۷... گفتگو کو نکات میں تقسیم کر لیجیے 387
○ ۸... تکلف سے بچیے 387
○ ۹... اپنی ذات کے لیے کچھ نہ مانگیے 387
○ ۱۰... اہم بات کو تین مرتبہ دہرائیے 388
○ ۱۱... ہر ہفتہ ایک نیا موضوع منتخب کیجیے 388
○ ۱۲... اپنے ظاہر کو شائستہ بنائیے 389

○ ۱۳... اپنے باطن کو ظاہر سے بہتر کیجیے	389
○ ۱۴... مقصدیت کو ہمیشہ پیش نظر رکھیے	390
○ ۱۵... حالات حاضرہ پر تبصرہ کیجیے	390
○ ۱۶... اکتاہٹ نہ ہونے دی جائے	391
○ ۱۷... سوالات کا موقع دیجیے	391
۞ مدرس قرآن کے لیے پانچ اہم ہدایات	393
○ ۱... نظم کلام کو ملحوظ رکھیے اور مرکزی مضمون تلاش کیجیے	393
○ ۲... سورت کے ہر لفظ کو انگلی پکڑ کر چلیں	393
○ ۳... صفات الٰہی پر غور کیجیے	394
○ ۴... قرآن کے انذار و تبشیر پر ہمیشہ نظر رکھیے	394
○ ۵... مقصد پر نگاہ رکھیے، غیر ضروری تفصیلات سے بچیے	395
۞ قرآن کتاب دلائل ہے	395
۞ سائنسی دلائل	396
۞ حلفی دلائل	397
۞ درس قرآن کے لیے اوقات کار کی تقسیم	398
۞ چند ضروری امور	399
۞ موضوعاتی درس قرآن کے لیے چند مجوزہ موضوعات	406

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

آج کی دنیا مادیت کے دلدل سے نکلنے کی راہ تک رہی ہے اور سکون و راحت کی تلاش میں حیران و سر گرداں ہے، جبکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سکون کی یہ دولت اپنے ذکر، نام، عبادت اور کتاب قرآن مجید میں رکھی ہے۔ موجودہ حالات میں ایک مسلمان ظاہری اعتبار سے جس قدر پراگندگی میں زندگی بسر کر رہا ہو، لیکن اس کے دلی اطمینان کے لیے اللہ تعالیٰ پر غیر متزلزل ایمان، قرآن کریم کی تلاوت، ترجمہ، تفسیر اور اس کے علوم و معارف کا ذخیرہ بڑی تشفی کا سامان ہے۔ قرآن کریم ایک مسلمان کی نظر کو مادیت سے ہٹا کر روحانیت کی طرف، دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی طرف اور مال سے اعمال کی طرف لے جاتا ہے۔ آج مغربی ممالک میں ہماری سوچ سے بڑھ کر سامان راحت و تعیش موجود ہونے کے باوجود خود کشی کے واقعات کی بہتات ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ وحیِ خداوندی کو چھوڑ کر عقل کے پیچھے اس قدر دوڑے ہیں کہ ان کی عقل ہی مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔ عقل کی سلامتی دین میں ہے جب دین نہیں تو عقل چاہے جس قدر تیز کیوں نہ ہو وہ انسان کو ہدایت دینے میں ناکافی ہے۔ مغربی ممالک کی یونیورسٹیوں میں اسلام اور قرآن پر ریسرچ کرنے والوں کی معلومات حیران کن ہیں، لیکن اس کے باوجود ہدایت کا ایک قطرہ بھی ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا، کیونکہ ان کی ساری زندگی کا نصب العین دنیا اور مادیت ہی پر منحصر ہے، جبکہ قرآن کریم انسان کو اس کی نفسیات کے مطابق مخاطب کرکے اسے ہدایت اور حقیقی علم سے نوازتا ہے کہ اصل علم اشیاء کی حقیقت کا جاننا ہے۔

یہ علم سائنسی لیبارٹریوں میں پیشاب اور خون کے تجزیئے، چوہے اور مینڈک پر تجربات سے نہیں، بلکہ وحی خداوندی اور نور نبوت سے حاصل ہوتا ہے اور یہی دولت اصحابِ صفہ میں تقسیم ہوتی تھی۔ لہٰذا جو شخص جس قدر قرآن و حدیث سے قریب ہوگا اسے ہدایت بھی ملے گی اور کائنات اور اس میں موجود اشیاء و عناصر کی حقیقت کا بھی علم نصیب ہوگا،

مغرب کے مادہ پرست سائنسدانوں کو اس حقیقی علم کی ہوا بھی نہیں لگی۔

آج نزول قرآن کو چودہ سے زائد صدیاں بیت چکی ہیں اور ہر روز اس کے انوار و برکات اور فوائد و ثمرات کھلتے چلے جارہے ہیں، اس کی تلاوت کرنے والے سیر نہیں ہوتے، اس کی خدمت کرنے والے تعطل کا شکار نہیں ہوتے۔ اس کو پڑھنے، پڑھانے، سمجھنے سمجھانے کا عمل بھی رواں دواں ہے۔ اس کی تعلیمات کو دنیاوی نقطہ نظر سے دیکھنے والوں کی بھی کمی نہیں۔ اس کی ہدایات کے مطابق دنیاوی عناصر اور زمین و آسمان کی تخلیقات میں غور و فکر کیا جارہا ہے، اس سب کے باوجود کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرا دل قرآن سے سیر ہو چکا ہے یا میں نے اس پر عبور یا کمال حاصل کر لیا ہے۔

الغرض کوئی بھی کتاب قرآن کی مانند نہیں ہے۔ یہ دل کی دھڑکنوں میں اضافہ کرتی ہے اور قوموں کو عزت و سربلندی کی شاہراہ پر آگے بڑھاتی ہے۔ یہ انسان کی ابدی اور فطری تلاش اور پیاس کا جواب ہے۔ یہ مسلمانوں کے لیے ان کی تقدیر کا حتمی فیصلہ کرتی ہے خواہ یہ تہذیب اور شان و شوکت کی بلندیوں تک ان کا عروج ہو یا ذلت و مسکنت کے تحت الثریٰ میں ان کا زوال، اس کا انحصار اس پر ہے کہ وہ اپنی زندگی میں قرآن کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرتے ہیں۔

قرآن کے پاس انسانوں کو دینے کے لیے ایسے بیش قیمت خزانے ہیں کہ جن کے بیان سے یہ زبان عاجز ہے۔

* اپنے خالق کے ساتھ خیر و برکت سے بھرپور باتیں کرنے کی ابدی مسرت و سرشاری۔
* اپنے مالک کے راستے پر رہنمائی کے لیے علم و دانش کے بہت بڑے خزانے۔
* روشنی کی وہ شعائیں جو روح کی گہرائیوں اور زندگی کے اجتماعی دائروں کو جگمگادیں۔
* ہماری انفرادی اور اجتماعی تمام امراض کا علاج اور وہ رحمت و بخشش جو زندگی کے بوجھ کو خوشی خوشی اٹھانے کے لیے اور اس زندگی میں آخرت کی کامیابی تک پہنچنے کے لیے طاقت اور حوصلہ دیتی ہے۔

ہم ایک ایسے زمانے میں جی رہے ہیں کہ اپنی زندگیوں کو قرآن کے سانچے میں ڈھالنے کی فوری اور اشد ضرورت ہے، کیونکہ قرآن کے بغیر انسانیت ایک گمراہی سے دوسری گمراہی کے گڑھے میں گرتی چلی جائے گی۔

قرآن حیاتِ انسانی کے مقصد، نصب العین اور معراج، تشکیل امت، اخلاق و کردار، اطوار وعادات، عبادات ومعاملات، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے اصولِ ضوابط بتاتا اور ایک پاکیزہ معاشرے کی تشکیل کی رہنمائی کرتا ہے اور قرآن کی ہدایت پر عمل ہی سے انسانیت کو معراج نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرونِ اولیٰ میں ہوا۔ جب عرب کے بادیہ نشینوں نے قیصر وکسریٰ کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لَنْ یُصْلِحَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةَ اِلَّا مَا اَصْلَحَ اَوَّلَهَا" [امام مالک رحمہ اللہ]

"اس امت کے آخری لوگوں کی اصلاح بغیر اس طریقے کے نہیں ہوسکتی جس طریقے پر امت کے پہلے لوگوں [صحابہ رضی اللہ عنہ اجمعین] کی ہوئی تھی"۔

اور وہ طریقہ اور قاعدہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن پاک ہی ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ [آل عمران: ۱۶۴]

"اللہ تعالیٰ نے احسان کرکے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تاکہ کتاب اللہ کی تلاوت، تبلیغ اور تعلیم وتربیت سے لوگوں کی اصلاح اور تزکیہ کرے"۔

اب بھی اور قیامت کی صبح تک امت کا تزکیہ اور اصلاح قرآن ہی کے ذریعے ہوگا اور یہی نسخہ علاج تجویز کرنے سے مرض ختم ہوتا جائے گا۔

آج دنیا میں موجود مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ ارب ہے اور تقریباً ۵۶ ممالک کا زمامِ اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور خوش قسمتی سے ان کی فہرست میں پاکستان جیسا ایٹمی طاقت بھی موجود ہے۔ اس وقت مسلمان دنیا کی تیسری بڑی طاقت ہے آبادی کے لحاظ سے یہ دنیا کے ایک تہائی لوگ ہیں۔ وسائل میں ان کا حصہ ایک چوتھائی ہے یہ دنیا کی سب سے بڑی

صارف مارکیٹ ہیں، لیکن اس کے باوجود مسلمان دنیا میں مختلف مسائل اور زوال سے دو چار ہیں۔ اس کا اصل سبب قرآن پاک سے اعتقاداً، عملاً، اخلاقاً اور سیاستاً دوری ہے۔ جس کا تذکرہ علامہ اقبال رحمہ اللہ نے "جواب شکوہ" اور" بانگ درا" میں بھی کیا ہے۔

ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلمان ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے؟
حیدری فقر ہے، نے دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے
وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

بہر حال مسلمانوں کا زوال عروج میں تبدیل کرنے کے لیے انہیں قرآن کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے اور عام لوگوں میں رجوع الی القرآن کی تحریک چلانے کی ضرورت ہے۔ اس کام کے لیے پہلے مسلمانوں میں قرآن اور فہم قرآن کی اہمیت اجاگر کرنا اور پھر ان کو قرآن کے سائے میں بٹھانا ہوگا اور ہر جگہ مسجد و مدرسہ، کالج، یونیورسٹی کے سطح پر فہم قرآن کے کلاسسز اور دروس کا اہتمام کرنا بے حد ضروری ہے، لیکن قرآن کیسے پڑھایا جائے اور فہم قرآن کے کلاس کا طریقہ کیا ہے اس کے لیے تربیت یافتہ مدرسین، مربین، سکالر اور داعیوں [Master Trainers] کی ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے جو قرآن وسنت کی بنیادی تعلیمات کی درسِ قرآن کے ذریعے موثر انداز میں لوگوں کو سکھانے اور سمجھانے کا ہنر سیکھ لے۔ اس غرض سے کتابچہ "درسِ قرآن کیسے کیا جائے" مرتب کیا گیا ہے کہ ایک مدرسِ قرآن درس کی تیاری کیسے کرے اور موثر انداز میں اس کی تبلیغ کیسے کی جائے۔ حتی الوسع بندہ نے اس حوالے سے ہر پہلو کو مد نظر رکھ کر مواد جمع کرنے کی کوشش کی ہے یہ فیصلہ قارئین ہی کر سکیں گے کہ میں اس میں کس حد تک کامیاب ہو چکا ہوں۔

یہ رسالہ کوئی باضابطہ تحریر اور کسی ایک شخص کا مواد نہیں بلکہ اس رسالے میں داعی

قرآن مولانا اسلم شیخوپوری شہید، رحمہ اللہ تحریک اسلامی کے عظیم مربی رہنما انجنیئر خرم جاہ مراد رحمہ اللہ، مفکر اسلام مفتی ابو لبابہ شاہ منصور صاحب کے تقریرات و تحریرات اور بندہ کے اپنے اور مشائخ کرام کے تجربات اور ارشادات کو جمع کیا گیا ہے لہٰذا بیان میں کہیں کہیں کلی یا جزئی طور پر تکرار بھی اس وجہ سے آئی ہو گی کہ یہ ایک مربوط اور مسلسل مضمون نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں تمام سعی کرنے والوں کی طرف سے قبول فرمائے اور قارئین کو استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو رجوع الی القرآن کی تحریک کا ہمنوا اور ہمسفر بنا دیں۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین۔ آمین

ابو معاویہ محمد آیاز درانی پشاوری
رئیس جامعہ تبلیغ القرآن یوسف آباد پشاور

تاریخ اور تحریک رجوع الی القرآن

مسلمان جہاں بھی گئے قرآنِ حکیم اور مسجد ساتھ لے کر گئے۔ انہوں نے ایک طرف قرآن حکیم کے درس وتدریس اور اسے سمجھنے سمجھانے کا خصوصی اہتمام کیا تو دوسری طرف مساجد کی تعمیر کا سلسلہ جاری رکھا، کہیں بھی اپنا گھر بنانے سے پہلے مسجد بنانے کی سوچتے تھے۔ بنواُمیہ کے دور میں اسلام کی سرحدیں ہندوستان تک وسیع ہوتے ہی مسلمانوں نے قرآنِ حکیم کی درس وتدریس کے لیے مساجد ومدارس کی تعمیر کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔ ایک زمانے میں سندھ کے شہر ٹھٹھہ اور اس کے مضافات میں چار ہزار مدارس قائم تھے جب کہ پایۂ تخت دہلی میں ایک ہزار مدارس کام کر رہے تھے۔ ان مدارس میں ماوراء النہر سے آنے والے علماء نے فقہی علوم کو خاص اہمیت دی اور علوم آلیہ کا حصول مقصد بن گیا اور قرآن حکیم کے فہم و تفہیم کا سلسلہ قدرے پس منظر میں چلا گیا۔

شیخ محمد اکرم نے "رد کوثر" میں لکھا ہے کہ ۱۲ویں صدی ہجری میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ عیسائی پادری مسلمان علماء سے مناظرہ کے دوران قرآنی آیات کا حوالہ دیتے تو مسلمان علماء بے دھڑک ان کے آیاتِ قرآنی ہونے کا انکار کر دیتے اور بعد میں دیکھنے سے ان کو حزیمت اٹھانا پڑتی تھی مطلب یہ کہ عوام تو رہے ایک طرف علماء کی قرآن سے دوری کا یہ حال تھا۔ انہیں فلسفہ و منطق میں استغراق کے باعث قرآن پڑھنے کی فرصت ہی نہ تھی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پہلے شخص تھے جنہوں نے ہندوستان سے مسلمانوں میں فہم قرآن کی جوت جگائی اور رجوع الی القرآن کی تحریک چلائی۔ آپ نے "فتح الرحمٰن" کے نام سے فارسی زبان میں [جو اس وقت سرکاری زبان تھی اور عام بولی اور سمجھی جاتی تھی] قرآنِ حکیم کا ترجمہ کیا۔ جس پر صرفی نحوی اور منطقی مولویوں کی طرف سے سخت مزاحمت اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر انہوں نے ہر قسم کے حالات کا مقابلہ انتہائی پامردی اور استقامت سے کیا۔

رجوع الی القرآن کا یہ ولی اللٰہی جذبہ عند اللہ بہت مقبول ہوا اور شاہ صاحب کو ایسے

فرزند عطا کیے گئے جنہوں نے قرآن حکیم اور اس کی تعلیمات کی ترویج و تبلیغ کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے فرزند اکبر اور جانشین شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے ساٹھ سال تک قرآن کی خدمت کی اور "تفسیر فتح العزیز" لکھی۔ ان کے دوسرے صاحبزادے شاہ عبد القادر رحمہ اللہ نے انتہائی غور و فکر اور فہم و تدبر سے "موضح القرآن" کے نام سے اُردو زبان میں پہلا با محاورہ ترجمہ تحریر فرمایا۔ جس کی علمی حلقوں میں بہت شہرت ہوئی اور "موضح القرآن" کو "ام التراجم" کہا جاتا ہے، بلکہ بعض علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر قرآن اردو میں نازل ہوتا تو قریب قریب اسی اسلوب و انداز میں نازل ہوتا۔

شاہ صاحب کے تیسرے صاحبزادے سے شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ نے پہلا لفظی ترجمہ لکھا جب کہ سب سے چھوٹے صاحبزادے شاہ عبد الغنی رحمہ اللہ [والد ماجد شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ] نے بھی قرآن کریم کی دعوت و تذکیر کا کام لیا گیا۔

علماء دیوبند میں سب سے پہلے "مولانا عاشق الٰہی مرٹھی" [مصنف، تذکرۃ الرشید] نے اردو میں ترجمہ کیا۔ ان کے بعد "حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ" کا ترجمہ و تفسیر "بیان القرآن" منظر عام پر آئی جو علماء و عوام میں یکساں مقبول ہوئی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ نے مالٹا میں اسیری کے دوران شاہ عبد القادر دہلوی رحمہ اللہ کے ترجمہ کی تسہیل کی اور چند پاروں کے تفسیری حواشی تحریر فرمائے۔ اسی ترجمے اور تفسیری حواشی کی بنیاد پر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے "تفسیر عثمانی" تحریر فرمائی۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کی تفاسیر "معارف القرآن" کی عمارت بھی ترجمہ شیخ الہند رحمہ اللہ پر اٹھائی گئی۔ مولانا عبد الماجد دریاآبادی کی اردو تفسیر "تفسیر ماجدی" اور انگریزی ترجمہ و تفسیر حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی رہنمائی میں ترتیب دی گئی۔

قرآنِ حکیم کے خدام میں ایک نام مولانا حسین علی واں بھچروی رحمہ اللہ [متوطن واں بھچراں ضلع میانوالی۔ پنجاب] کا ہے جو امام رشید احمد محدث گنگوہی رحمہ اللہ اور مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمہ اللہ کے شاگرد اور مجددی سلسلہ طریقت کے عظیم شیخ خواجہ محمد عثمانی

دامانی رحمہ اللہ کے مجاز تھے۔ انہوں نے ساٹھ سال تک علماء اور عوام کو قرآن کی تعلیمات سے آگاہ کیا۔ وہ فنا فی القرآن اور فنا فی التوحید تھے۔ وہ قرآن کی ہر سورت کا مرکزی موضوع [دعویٰ] متعین کرتے اور دوسری آیات سے ثابت کرتے تھے۔ پھر اس پر عقلی اور نقلی دلائل پیش کرتے تھے۔ ان کے فہم قرآن اور اسلوب کا اندازہ "تفسیر بے نظیر" اور "تفسیر بلغۃ الحیران" سے کیا جاسکتا ہے۔ مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے شاگردوں نے اس سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے اپنی زندگیاں قرآن کریم کی خدمت کے لیے وقف کیں۔ ان کے تلامذہ میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ [راولپنڈی] اور شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمہ اللہ [ضلع صوابی] بہت معروف ہیں۔ انہوں نے تفسیری حوالے سے قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ کی تفسیر "جواہر القرآن" حسینی کاروان کی نصابی تفسیر ہے جو "بلغۃ الحیران" کی تشریح و توضیح ہے۔ اس کاروان کے فرد فرید مولانا محمد طاہرؒ نے پشتون علاقے میں مشنری جذبے سے کام کیا اور ان دیار میں فہم قرآن کا ذوق پیدا کیا۔ وہ مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کے بھی فیض یافتہ تھے۔ مولانا محمد طاہر رحمہ اللہ نے قرآنِ حکیم کی سورتوں اور آیات کے ربط و تسلسل کے موضوع پر عربی زبان میں "سمط الدرر" تحریر فرمائی اور مفسرین کے مختلف طبقات پر "نیل السائرین" کے عنوان سے نوسو مفسرینِ قرآن کا تذکرہ کیا۔

مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے مولانا عبد الہادی نے "البرہان فی مشکلات القرآن" مولانا قاضی شمس الدین رحمہ اللہ محدث گوجرانوالہ نے "اسرار القرآن" مولانا محمد امیر بندیالوی رحمہ اللہ نے "الدر المنثور فی ربط الایات والسور" اور مولانا سرفراز خاں صفدر نے "ذخیرہ الجنان" کے نام سے تفسیری کام کیا۔ یہ سب حضرات ہر سال قرآن حکیم کا دورۂ تفسیر پڑھاتے تھے اور روزانہ درسِ قرآن تو سال بھر کا معمول تھا۔ اسی سلسلے کے ایک اور بزرگ مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے عمر کے آخری دور میں دورہ تفسیرِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا تھا جو اُن کی علالت کے باعث چند قدم آگے چل سکا، تاہم حال ہی میں قرآن حکیم پر اُن کے حواشی شائع ہو کر منظرِ عام پر آئے ہیں۔ جامع مسجد کالری دروازہ گجرات میں صبح کی

نماز کے بعد شاہ صاحب کے درس نے اصلاح عقائد کے عنوان پر معرکہ الآراء کام کیا۔

علماء دیوبند کی صفوں میں خدمتِ قرآن کے حوالے سے ایک بڑا نام مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کا ہے۔ وہ سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ نے "تحفۃ الہند" سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا اور انہی کے نام سے اپنا نام بوٹا سنگھ سے بدل کر عبید اللہ رکھا۔ دار العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ شیخ الہند مولانا محمد الحسن رحمہ اللہ کے متعمد شاگردوں میں سے تھے۔ ریشمی رومال کی تحریک کے روح رواں تھے اور اسی سلسلے میں شیخ الہند رحمہ اللہ کے ایماء پر ہجرت کرکے افغانستان میں رہ کر تحریک جہاد کی رہنمائی کرتے رہے۔ پھر روس، ترکی اور بعض یورپی ممالک سے ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ پناہ گزیں ہوئے۔ مسجد حرام میں قرآن حکیم کا درس دیتے تھے۔ ان کے تفسیری افادات ان کے کئی شاگردوں نے جمع کیے جن میں "تفسیر الہام الرحمٰن" کو [نامکمل] کو خاص شہرت حاصل ہے۔ علماء دیوبند کے قرآنی خدام میں ایک اور بڑا نام شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کا ہے۔ وہ شیخ الہند رحمہ اللہ اور مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ تقریباً چالیس سال تک شیر انوالہ گیٹ لاہور کی مسجد میں قرآنِ حکیم کا درس دیا۔ ہر سال دورۂ تفسیر پڑھاتے تھے جس میں ہندوستان بھر کے علماء شریک ہوتے تھے۔ آپ نے "قرآن عزیز" کے نام سے قرآنِ پاک کا ترجمہ اور مختصر حواشی تحریر فرمائے۔ ان کے علاوہ درجنوں علماء دیوبند نے مختلف حوالوں سے قرآنِ حکیم کی خدمت کی۔ جن کے تذکرے کے لیے یہ صفحات ناکافی ہیں۔

علمائے دیوبند نے ریڈیائی درسِ قرآن کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اور مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ مختلف سالوں میں ریڈیو پر درس دیتے رہے [تب ریڈیو واحد نشریاتی میڈیا تھا] مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ کا درسِ قرآن عوام و خواص میں بہت مقبول تھا۔

مسلمانانِ ہند میں مطالعہ و فہم قرآن کے حوالے سے مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے اپنے ہفت روزہ جریدہ "الہلال" کے ذریعے قرآنی

تعلیمات کو عام کرنے کا نعرہ اس زور سے لگایا کہ برطانوی قصر اقتدار پر لرزہ طاری ہو گیا۔ "الہلال" میں شائع ہونے والے قرآنی مقالات اس قدر موثر ثابت ہوئے کہ شیخ الہند رحمہ اللہ جیسے عظیم المرتبہ عالم دین پکار اٹھے ہم جو سبق بھولے ہوئے تھے [خدمت و تعلیم قرآن کو عام کرنے کا] ابو الکلام آزاد نے یاد دلادیا۔ تحریک "الہلال" سے پہلے قرآن صرف علماء کی صفوں میں پڑھا جاتا تھا۔ مولانا آزاد نے عوام میں پڑھنے اور سمجھنے اور عمل پیرائی کا جذبہ پیدا کیا۔ حتی کہ بعد کے سالوں میں بعض جدید الفکر حضرات نے اس حوالے سے جو کام بھی کیا یہ سبق مولانا آزاد رحمہ اللہ ہی کا پڑھایا ہوا ہے۔ مولانا آزاد کی نامکمل تفسیر "ترجمان القرآن" اردو زبان و ادب کا ایک شاہکار ہے۔ اور سورہ فاتحہ کی تفسیر تو الہامی معلوم ہوتی ہے۔ یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ مولانا آزاد نے "ترجمان القرآن" کی دونوں جلدیں جیل کی تنہائیوں میں رقم کیں۔ اگرچہ بعض علماء کو مولانا آزاد رحمہ اللہ سے اختلاف رہا۔ مگر "ترجمان القرآن" "ترجمان القرآن" ہے اور اس کے پائے کی کوئی تفسیر نہ تو اب تک لکھی گئی ہے اور نہ ہی آئندہ لکھی جاسکے گی۔

فہم قرآن شیخ الہند رحمہ اللہ کی نظر میں:

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے جزائر مالٹا میں اسیری کے دوران شاہ عبد القادر دہلوی رحمہ اللہ کے ترجمہ کی تسہیل کی جو کہ "ترجمہ شیخ الہند" کے نام سے معروف ہے۔ جیل سے رہائی کے بعد ہندوستان واپس پہنچے تو بڑھاپے کا ضعف اور مختلف عوارض غالب آچکے تھے۔ ایک مجلس میں حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"میں جیل کی تنہائیوں میں خوب غور کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ امتِ مسلمہ کے زوال کے دو اسباب ہیں ایک قرآن کریم سے دوری اور دوسرا مسلمانوں کا افتراق و انتشار اور میں اس عزم کے ساتھ واپس آیا ہوں کہ مسلمانوں کو متحد کروں گا اور ان کو قرآنِ کریم سے وابستہ کروں گا۔"

فہم قرآن علامہ انور شاہ محدث کشمیری رحمہ اللہ:

مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ "وحدتِ امت" میں لکھتے ہیں کہ میں نے ایک بار حضرت الاستاد علامہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کو انتہائی متفکر اور مغموم دیکھا۔ میں نے اس پریشانی اور تفکر کی وجہ پوچھی تو فرمایا۔

"ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی۔ ساری زندگی حنفیت کی برتری ثابت کرنے میں گزر گئی اور آخر میں یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول درست ہے، مگر خطا کا احتمال ہے اور اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ کا قول غلط ہے مگر درستگی کا احتمال باقی ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ امام شافعی کو رسوا کرے گا نہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو۔ نہ ہی ہم سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ ہم نے متفق علیہ مسائل پر توجہ نہیں دی اور نہ ہی گمراہ فرقوں کی اصلاح کی۔ قیامت کے دن ہم سے جس [قرآنِ حکیم] کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اس کی تعلیم و تفہیم پر توجہ ہی نہیں دی اور اس روز ہمارے پاس کوئی جواب نہ ہوگا"۔

فہم قرآن میں استقامت:

اکابر علماء نے فہم قرآن کے لیے درسِ قرآن میں کس قدر استقامت کا مظاہرہ کیا اس کا اندازہ ان علماء کی زبانی کچھ یوں ہے کہ مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے پہلے درس میں میں صرف ایک شخص تھا۔ جو حجام کا کام کرتا تھا۔ مگر درس کا سلسلہ جاری رکھا گیا اور آہستہ آہستہ تعداد زیادہ ہوتی گئی پھر ہزاروں لوگ درس میں شریک ہوتے تھے۔ مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے پہلے درس میں چھ افراد تھے۔ پھر یہ درس گجرات شہر کا سب سے بڑا درس بنا اور لوگ دور دور سے شرکت کے لیے آتے تھے۔ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ کے پہلے دورۂ تفسیر میں صرف گیارہ طالب علم شریک ہوئے پھر وہ وقت بھی آیا کہ اڑھائی سے تین ہزار علماء شریک ہوتے تھے۔ شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ کے پہلے دورۂ تفسیر میں صرف آٹھ (۸) طالب علم شریک ہوئے پھر ہزاروں افراد شریک ہوتے تھے۔ شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے لاہور میں پہلا درسِ قرآن ایک تھڑے پر بیٹھ کر دیا اور سننے والا ایک بھی شخص نہ تھا۔ اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ صبح کے درس میں عوام کا جم غفیر درس سننے لیے بیٹھتا تھا۔ آپ کے دورۂ تفسیر میں پورے ہندوستان کے اہل علم شریک ہوتے تھے۔

میاں محمد الیاس

قرآن کا پیغام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ!

اس امت کا وجود و تشخص، عروج و زوال، بلندی و پستی اور خوشحالی و پسماندگی، اسی کتاب اللہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ کوئی شاعری نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کی چودہ سو سال کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے اور یہ مسلمانوں کی تاریخ کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔

مسلمانوں نے جب بھی کتاب اللہ سے رشتہ جوڑا، وہ دنیا میں معزز و سر بلند اور خوشحال ہوئے۔ اور جب انہوں نے اس کتاب سے رشتہ توڑا تو وہ دنیا میں ذلیل وخوار اور پسماندہ و غریب ہوئے۔ دور اول کو لیجیے یا اس کے بعد آنے والے ادوار کو دیکھئے، تاریخ اپنے آپ کو اسی طرح دہراتی رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ دنیا کی حکومت عربوں کے ہاتھ میں آئے یا ترکوں کے ہاتھ میں چلی جائے، اقتدار عباسیوں کے ہاتھ میں آئے یا عثمانیوں کے پاس رہے، سلجوق تخت پر بیٹھیں یا مغل حکومت کریں، حق تعالیٰ کی سنت میں اسے کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ اس لیے کہ جب قرآن مجید نازل ہوا، اقتدار اور حکومت کے آنے جانے کا یہ عمل تو اس وقت بھی برابر جاری تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے سائے میں کوئی امت مبعوث کی تو اس لیے کہ وہ اس خالق و مالک کے پیغام کی علم بردار اور ہدایت کی حامل بنے۔ اس کی امانت دار بنے اور اس کا بوجھ اٹھائے۔ خود اس پر عمل کرے اور دنیا کے سامنے گواہ بن کر کھڑی ہو۔

اس امت کی زندگی میں مرکزی حیثیت اس دن کو حاصل ہوئی جب اللہ تعالیٰ نے غار حرا میں اس کتاب کا پہلا پیغام اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً یہ پیغام نازل ہوتا رہا۔ وہ پیغام جو صرف ایک شخص کی زبان سے جاری ہوا تھا اور جس پر لبیک کہنے والے مٹھی بھر لوگ تھے، جو غلام، کمزور اور غریب تھے، جو عرب کے بڑے بڑے سردار یا بہت پڑھے لکھے لوگ بھی نہیں تھے، جن کے پاس نہ دولت کے ڈھیر جمع تھے اور

نہ سرداری کی کلاہیں ان کے سروں پر سجی ہوئی تھیں۔ اس پیغام کی پہلی پکار پر بس یہی مٹھی بھر لوگ جمع ہوئے تھے۔ تب کون کہہ سکتا تھا کہ غار حرا میں سنی جانے والی یہ آواز، چند ہی برسوں میں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گونجے گی۔ اس پیغام کو خلوص نیت اور خلوص عمل سے ماننے والے افراد، دنیا کے امام اور لیڈر بن جائیں گے۔

مکی زندگی کے ابتدائی دنوں کا واقعہ ہے: خباب بن ارت رضی اللہ عنہ ایک بے کس غلام تھے۔ وہ ایمان لائے تو ان کے آقا ایمان لانے کے جرم میں انہیں باندھ کر آگ کے انگاروں پر لٹاتے اور پیٹھ کی چربی کے پگھلنے سے دہکتے انگارے بجھ جایا کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس حالت میں، میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مظالم کی حد ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے دعا کیجیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھے خانہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ یہ بات سن کر ان کا چہرہ اس طرح سرخ ہو گیا جیسے کسی نے انار کے دانے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر نچوڑ دیے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اے خباب رضی اللہ عنہ! تم سے پہلے جن لوگوں کو یہ امانت دی گئی تھی، ان کو ہر طریقے سے ستایا گیا، یہاں تک کہ لوہے کی کنگھیوں سے ان کی ہڈیوں سے گوشت تک نوچ لیا گیا، ان کو آگ کے گڑھوں میں پھینکا گیا، آرے لا کر انہیں دو ٹکڑے کر دیا گیا، لیکن وہ لوگ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے۔ اللہ کی قسم! میرا کام مکمل ہو کر رہے گا۔ یہاں تک کہ ایک عورت عرب کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جائے گی، اور کوئی اس کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے والا نہیں ہو گا۔

حاتم طائی، عرب کے مشہور قبیلہ طے کے سردار اور اپنی فیاضی میں مشہور تھے۔ مذہبی اعتبار سے عیسائی تھے۔ ان کے بیٹے عدی بن حاتم تھے۔ وہ کہتے ہیں: مجھے سب سے زیادہ اگر کوئی چیز ناپسند تھی تو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے قبیلے پر بھی تسلط حاصل کر لیا تو میں بھاگ کھڑا ہوا۔ پھر میں نے سوچا کہ مجھے جا کر بات تو سننی چاہیے۔ اگر یہ بات اچھی ہوئی تو

میرے فائدے کی ہو گی اور اگر غلط ہوئی تو مجھے کیا نقصان ہو گا؟ چنانچہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں جب مدینہ میں داخل ہوا تو لوگ پکار اٹھے کہ عدی بن حاتم آگئے، عدی بن حاتم آگئے! لوگوں کو بڑی خوشی ہوئی، مگر تعجب بھی ہوا کہ یہ کیسے آگئے؟ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا، اپنے ہاں لے گئے۔ مجھے گدیلے پر بٹھایا، خود میرے ساتھ بیٹھے اور فرمایا:

"عدی! اسلام لاؤ اور مجھے معلوم ہے کہ تم اسلام کیوں نہیں لاتے؟ تم سوچتے ہو کہ یہ مٹھی بھر لوگ جن پر ہر طرف سے دشمن یلغار کیے ہوئے ہیں اور جن کو ہر طرف سے خوف اور جنگ کا خطرہ در پیش ہے، یہ تھوڑے سے لوگ جو مدینہ کے اندر محصور ہیں، یہ دنیا میں کیا کر سکیں گے؟ لیکن عدی! میں تم کو بتاتا ہوں کہ صنعا [عرب کے ایک سرے پر واقع تھا، وہاں] سے ایک عورت مکہ تک جائے گی اور بالکل محفوظ ہو گی۔ قیصر و کسریٰ کی بڑی بڑی سلطنتوں کے خزانے تم نے دیکھے ہیں، یہ سب میری امت کے ہوں گے۔ اور میں تم کو بتاؤں ایک وقت آئے گا کہ ایک آدمی ہاتھ میں سونا لے کر نکلے گا اور کوئی اس کو لینے والا نہیں ہو گا"۔

عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ تینوں پیش گوئیاں اپنی آنکھوں سے پوری ہوتی دیکھیں۔

جب مٹھی بھر مسلمان مکہ میں تھے اور وہ مارے پیٹے جاتے تھے، ریت پر لٹائے جاتے تھے، انہیں پتھروں سے مارا جاتا تھا، اس وقت جو کلمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر تھا وہ یہ تھا کہ لوگو! لا الہ الا اللہ کہو تو عرب و عجم تمہارے قدموں میں ہوں گے۔ سفر ہجرت کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، سراقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سراقہ! ایک دن آئے گا، کسریٰ کے کنگن تمہارے ہاتھوں میں ہوں گے۔ اگر تاریخ کے عام مادی پیمانوں سے ناپا جائے تو یہ جنون کی بات تھی کہ مکہ میں بیٹھ کر مٹھی بھر آدمی اس بات کا دعویٰ کریں کہ قیصر و کسریٰ کی حکومتیں ان کے پاؤں تلے ہوں گی۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے یہاں بیٹھ کر کوئی آج یہ دعویٰ

کرے کہ بہت جلد وہ دن آنے والا ہے جب امریکہ، روس اور برطانیہ سب ہمارے قدموں کے نیچے ہوں گے۔ یہ سن کر لوگ کہیں گے کہ یہ پاگل اور مجنون آدمی ہے جو ایسی بات کہہ رہا ہے، لیکن مسلمانوں کو اس بات کا یقین تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات غلط نہیں ہو سکتی اور قرآن مجید نے جس بات کا وعدہ کیا ہے، وہ پورا ہو کر رہے گا۔ اس پیغام نے ان لوگوں کو اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ یہ گھڑی تو بہر حال آنے والی ہے۔

قرآن عظیم سے اس تعلق اور وابستگی کے نتیجے میں امت مسلمہ کو جو روحانی ترقی اور اخلاقی بلندی نصیب ہوئی اور ان کے حصے میں سیرت و کردار کی جو پختگی آئی، وہ قیصر و کسریٰ اور دنیا بھر کی حکومتوں سے زیادہ بیش قیمت تھا اور بالآخر قیصر و کسریٰ کی حکومتیں بھی ان کے قدموں کے نیچے آگئیں۔ یہ سب اس قرآن مجید سے تعلق کا فیضان تھا جو دنیا کی ہر نعمت سے بہتر ہے۔

غور کیجیے، انسان دولت سمیٹے، مکانات تعمیر کرے، محلّات بنائے انڈسٹری لگائے یا اس کے پاس ہزاروں ایکڑ پر مشتمل جاگیریں ہوں مگر یہ سب چیزیں نہ اسے سکون کی دولت دے سکتی ہیں اور نہ آخرت میں کامیابی کی ضمانت فراہم کر سکتی ہیں۔ ہاں، سب سے بہتر اگر کوئی چیز اس نعمت کی ضامن ہے تو وہ صرف قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کے ذریعے جو نعمتیں آدمی کے حصے میں آنے والی ہیں، وہ کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ انہیں کوئی زوال نہیں ہے، انہیں کوئی فنا نہیں ہے اور وہ کبھی چھننے والی نہیں ہیں۔

دنیا بھر کے کارخانے، دولت کے ڈھیر، عالی شان محلّات، سرسبز باغات، لمبے چوڑے کھیت، ان کا تعلق تو انسان سے بس اتنا ہی ہے کہ سانس اندر جاتی ہے اور باہر آتی ہے اور جس دن یہ اندر اور باہر جانا بند کر دے تو یہ سب ہاتھ سے گیا۔ سوال یہ ہے کہ کون سی چیز ہمیشہ ٹھہر سکتی ہے۔ اگر دس کروڑ روپے کا بنک بیلنس بھی کسی کے پاس ہو مگر اس کے جسم میں جان نہیں تو ظاہر ہے کہ اس کے ہاتھ ایک چیک پر دستخط نہیں کر سکتے۔ اگر مکان میں سو کمرے بھی ہوں تو وہ بستر پر دوبارہ نہیں لیٹ سکے گا۔ اور اگر الماری میں پچاس لباس بھی لٹکے ہوئے ہوں مگر اس لمحے تو صرف دو سفید چادریں ہی اس کا مقدر ہوں گی۔ جو آدمی مال و اسباب سمیٹتا ہے،

وہ اس بات کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ یہ سب عارضی، فنا ہونے والا اور ختم ہونے والا ہے۔ اس کے برعکس قرآن مجید جو راستہ کھولتا ہے، وہ تو ابدی نعمتوں کا راستہ ہے، جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں۔ جس میں انسان کے لیے کوئی موت نہیں ہے۔ اس کے پھل، درخت اور سائے ہمیشہ کے لیے ہیں۔ اس کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔ جو لوگ اس میں جائیں گے وہ ہمیشہ اس کے اندر رہیں گے هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔

قرآن نے دور اول کے انسانوں کی زندگیوں میں ایسا انقلاب برپا کیا کہ اُس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن ہمارے ہاں اس معاشرے میں آج بھی پڑھا جاتا ہے۔ ہم اس کی ورق گردانی کرتے ہیں۔ جلدی جلدی ختم قرآن کی محفلیں بھی منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ مگر کیا، کسی کا دل نرم پڑتا ہے؟ کسی کی آنکھوں میں نمی آتی ہے؟ کسی کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں؟ کسی کو یہ احساس ہوتا ہے کہ جو کلام پڑھا جارہا ہے، وہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ والارض کا کلام ہے؟ نہیں، ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ جلدی سے جلدی یہ پارہ، یہ منزل اور قرآن ختم ہو۔ اگر تراویح دو منٹ لمبی ہو جائے، تو ہم امام سے کہتے ہیں کہ ذرا مختصر کرو، جلدی کرو۔

اللہ تعالیٰ سے ہماری بے نیازی کا یہ انداز ہے، اس کے کلام سے ہماری بے رخی کا یہ عالم ہے کہ نہ ہم اس کو سننا چاہتے ہیں اور نہ پڑھنا چاہتے ہیں۔ نہ ہم اس کو سمجھنا چاہتے ہیں اور نہ اس پر غور و فکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے پہلے سننے والوں کی جو کیفیت قرآن مجید نے بیان کی ہے، وہ ہم سب کے سامنے ہے۔ قرآن مجید کا جو حصہ نازل ہوتا، اور ان کی محفلوں میں سنایا جاتا، وہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے عمل کرنے کے لیے آرہا ہے۔ یہ محض سننے یا سر دھننے کے لیے نہیں آرہا۔ اس لیے وہ اس کے رنگ میں رنگ جاتے، اس کی چلتی پھرتی تصویر بن جاتے اور ان کی زندگی اس کی تفسیر ہو جاتی تھی۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں: ہم نے سورۃ البقرہ دس سال میں ختم کی۔ لوگ اب یہ چاہتے ہیں کہ شبینہ کی ایک مجلس میں پورا قرآن مجید سن کر ختم کر دیں۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہ اجمعین کہتے ہیں: ہم آٹھ آیتیں سیکھتے تھے، ان کو اچھی طرح سمجھتے تھے، ان کے اوپر عمل کرتے تھے، ان کو محفوظ کرتے تھے۔ اس کے بعد ہم اگلی آٹھ

آیتیں سیکھتے تھے، اور اس طریقے سے ہی ہم نے پوری سورۃ البقرہ ختم کی۔ اس طرح سے جب انہوں نے قرآن کریم کو جذب کر لیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھ کر ان کی شخصیت بدل گئیں تو دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کن کن انعامات سے نوازا۔ آخرت میں اللہ نے ان سے جن انعامات کا وعدہ فرمایا تھا، سر دست اس کا ذکر چھوڑ دیجیے، اس نے تو دنیا کے مسائل کے بارے میں بھی یہی کہا ہے کہ:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

[الاعراف، ۷:۹۶]

"اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے"۔

گویا افلاس، غربت اور پسماندگی کے خاتمے کا نسخہ تو یہی قرآن مجید ہے۔

قرآن کریم کا پہلا حق یہ ہے کہ ہم خود اس کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ ہم پر اس کا دوسرا حق یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اسے بیان کریں اور پیش کریں۔ جب روشنی آتی ہے تو اس لیے نہیں آتی کہ اس کے اوپر آدمی پردہ اور کمبل ڈال دے۔ روشنی آتی ہی اس لیے ہے کہ وہ اپنے ماحول کو روشن کر دے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اس لیے آئی ہے کہ انسانوں کو صحیح اراستہ بتائے۔ قرآن اس لیے نازل نہیں ہوا کہ اسے لپیٹ کر جزدان میں رکھا جائے یا ڈرائنگ روم کی شیلف پر سجادیا جائے، یا زیادہ سے زیادہ اس کی تلاوت کر لی جائے اور بس۔ اس کتاب نے ہم سے پہلے آنے والوں کی زندگیاں بدل دیں۔ ذرا سوچیں کہ کس طرح بدل دیں؟ سوال یہ ہے کہ آج ہمیں اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے؟

جب یہ کتاب نازل ہوئی، تو کتاب کے سننے والوں کو اس میں بیان کردہ ہر بات پر مکمل یقین تھا، وہ انہیں محض زبان سے کہے ہوئے الفاظ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ وہ اپنے شعور کی اعلیٰ ترین سطح سے اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ اس کا ایک ایک لفظ اللہ کی طرف سے ہے۔ جس طرح اگر آج اخبار میں کوئی بڑا اہم اعلان آجائے جس کا روزمرہ زندگی پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہو، تو

ہر آدمی اس خبر کا پوچھے گا۔ کوئی نیا قانون آجائے تو آپ یہ جاننے کے لیے بے چین اور مضطرب ہو جائیں گے کہ حکومت کی طرف سے کیا نیا قانون آگیا ہے؟ مگر میرے عزیزو! ان لوگوں کے لیے تو حکومت ایک ہی تھی، لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمان و زمین کی حکومت اسی خالق و مالک کے لیے ہے اور کسی کے لیے نہیں ہے۔ اس کی طرف سے جو اعلان آتا تھا، وہ ان کے سر آنکھوں پر ہوتا تھا۔ اگر یہ کہا جاتا ہے کہ ایک حبہ بھی اللہ کی راہ میں دو گے تو جان لو سات سو گناہ یقینی ہے، اس سے زیادہ ہم دیں گے۔ ان کو اس بات پر یقین ہوتا تھا۔ اللہ کی راہ میں مقدور بھر دینے کے بعد ان کی جیب بند نہیں رہتی تھی۔ اپنے قیمتی باغ اللہ کی راہ میں دے دیا کرتے تھے۔ مزدوری کرتے تھے اور پیسے لا کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر رکھ دیتے تھے۔ اگر ان کو اس بات کی خوشخبری دی جاتی کہ اللہ کی راہ میں گردن کٹا دو گے تو سیدھے جنت میں جاؤ گے تو لوگ اپنے ہاتھوں سے کھجور پھینک دیتے تھے کہ اب ان کھجوروں کے ختم ہونے کا انتظار بھی کیوں کریں۔

ایک مستشرق کے الفاظ ہیں:

”وہ مکہ کا یتیم بچہ جس کو پوچھنے والا کوئی نہیں تھا۔ اسّی [۸۰] سال کے بعد اسپین سے لے کر چین تک، وادیوں، صحراؤں، جنگلوں اور شہروں میں اس کا نام پکارا جانے لگا“۔

یہ کن لوگوں نے کیا؟ یہ ان لوگوں نے کیا، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر پورا پورا یقین اور ایمان تھا، جن کو اللہ کی کتاب پر ایمان کی دولت حاصل تھی۔ اس کتاب نے ان کو اس طرح بدل کر رکھ دیا کہ جب وہ بدل گئے تو ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سارے وعدے پورے ہو گئے۔ اسی طرح جب ہم نے اس کتاب کو پس پشت ڈال دیا تو اس کے سارے وعدے ہمارے ساتھ بھی پورے ہوئے۔ کبھی ہم پر منگول مسلط کیے گئے اور کبھی ہم پر یورپی مسلط کیے گئے۔ ہماری عزت، دولت، علمی نوادر اور مالی خزانے سب غیروں کے پاس چلے گئے۔

یہ سب کس لیے ہوا؟ اس لیے نہیں ہوا کہ ہم کمزور تھے یا ہمارے پاس اسلحہ کم تھا۔

اس لیے کہ قرآن مجید نے جو نعمت ہمارے حوالے کی ہے اور جو امانت ہمارے سپرد

کی ہے ہم اس کا حق ادا نہیں کر رہے۔ اس سے بے تعلّقی اور بیگانگی کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اللہ کی کتاب ہمارے پاس موجود ہے۔ ہماری عظمت و سربلندی کے سارے خزانے اسی میں پوشیدہ ہیں۔ کامیابی کی ساری کنجیاں اسی کے دامن میں ہیں، کامرانی کے سارے دروازے اسی کے اندر ہیں۔ کامرانی، نجات، سکون اور مغفرت کا اس کے باہر کوئی دروازہ نہیں ہے۔ ہم روز صبح اخبار پڑھتے ہیں اور قوم کی حالت زار پر روتے اور مرثیہ پڑھتے ہیں، لیکن میں آپ سے کہتا ہوں کہ صرف ایک ہی نسخہ ہے جو ہمارے ملی اور قومی امراض کا علاج ہے اور وہ ہے قرآن مجید۔ ہمارے امراض کی جڑ کیا ہے؟ ہمارے امراض کی جڑ تو ہمارے دلوں میں ہے۔ قرآن مجید نے کہا ہے: فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ، مرض کی جڑ تو دلوں کے اندر ہوا کرتی ہے۔

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ [الحج ۴۶:۲۲]

"پس تحقیق بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں اندھے ہو جاتے ہیں"۔

آج سیاست دان ہوں یا تاجر، بیورو کریٹس ہوں یا پھر کوئی اور بھائی بھائی کا خون بہانے والے، یہ سب خوب جانتے ہیں، کیا برا ہے اور کیا اچھا ہے۔ کسی کے علم میں کمی نہیں ہے۔ کسی کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں، سب کو دکھائی دے رہا ہے کہ یہ برے کام ہیں، لیکن اس کی باوجود وہ برے کام کرتے ہیں اور ڈنکے کی چوٹ پر کرتے ہیں یہ اس لیے ہے کہ دل اندھے ہو گئے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔ اور جب یہ کیفیت ہو جائے تو علاج پھر اسی کے پاس ہے جو الشِّفَاءُ لِمَا فِي الصُّدُورِ ہے۔

اس شفا کے حصول کے لیے دن رات میں گھنٹہ آدھ گھنٹہ نکالنا پڑے گا اور کسی حق پرست ماہر قرآن کے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھنا پڑے گا۔ اگر آپ کوئی مستند ترجمہ لے لیں اور یہ ارادہ کر لیں کہ چوبیس گھنٹے کا دن جسے آپ کاروبار، روزگار اور بیوی بچوں میں لگاتے ہیں، اس میں سے پانچ منٹ، روزانہ اس بات پر لگائیں گے کہ قرآن مجید کی صرف تین آیات ترجمے سے پڑھ لیں یا اگر پڑھنا نہ جانتے ہوں تو کسی سے سن لیں۔ اس طرح چار پانچ سال میں پورا قرآن

مجید ختم ہو جائے گا۔ یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے، اگرچہ آج یہ کام بہت مشکل لگتا ہے کہ پورا قرآن پڑھا جائے، لیکن ارادے اور عزم سے، تہیہ کرکے روزانہ پانچ منٹ میں صرف تین آیات قرآنی اس طرح سے پڑھی جائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے بات چیت کر رہا ہے تو چند ہی روز میں اس کی لذت اور اس کا کیف آپ کا خود ابھارے گا کہ آپ اس کو ڈوب کر پڑھیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ احیاء العلوم میں ایک بزرگ کا واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: پہلے میں قرآن مجید اس طرح پڑھتا تھا گویا، کہ میں خود پڑھ رہا ہوں۔ اس میں مجھے کچھ مزہ نہ آتا تھا۔ پھر میں نے اس طرح پڑھنا شروع کیا کہ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رہا ہوں تو میرا لطف دوگنا ہو گیا۔ پھر میں نے اس طرح پڑھا کہ جبرائیل امین علیہ السلام خود مجھ سے مخاطب ہیں، اور یہ کلام سنا رہے ہیں، پھر تو کیا کہنے، اور آخر میں، میں نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ خود مجھ سے کلام فرما رہا ہے۔ اس وقت مجھے قرآن مجید کا اصل مزہ آیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب ہمارے لیے اتاری ہے۔ وہ ہم سے بار بار کہہ رہا ہے کہ میں نے تمہارے لیے یہ کتاب بھیجی ہے۔ وہ ہم سے کلام کر رہا ہے۔ اگر ہم روزانہ اس کے کلام کے ساتھ صرف پانچ منٹ صرف کر دیں، اس کی صحبت میں لپک کر جائیں اور ارادہ کر لیں کہ روزانہ کم از کم تین آیتیں پڑھیں گے اور اس کے مطابق اپنی زندگی بنانے کی کوشش کریں گے تو پانچ سال میں قرآن مجید مکمل پڑھا جائے گا اور یہ بڑا کام ہو جائے گا۔ اگر قرآن مجید کا مفہوم اور ترجمہ اس قوم کے ہر فرد تک پہنچ جائے، تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی حالت نہ بدل جائے۔

دوسری بات یہ کہ اگر ہم اپنے وقت میں سے رات یا صبح کسی بھی وقت پانچ منٹ نکال لیں اور اس دوران بیٹھ کر یہ سوچیں کہ آج ہم نے کون سا ایسا کام کیا ہے، جو ہمارے اللہ کو ناراض اور ناخوش کرنے والا تھا۔ بس اپنے آپ سے اتنا پوچھ لیں اور کچھ نہ کریں۔

اس سوال کا جواب خود آپ کے دل پر اس طرح نشتر چلائے گا، کہ آپ کی حالت بہتر ہوتی چلی جائے گی۔ چاہے آپ بالکل اصلاح نہ کریں، لیکن روز اپنے آپ سے پوچھیں کہ میں نے آج وہ کون سے کام کیے، جو میرے اللہ کو ناخوش کرنے والے ہیں اور جو مجھے آخرت میں

جہنم میں لے جائیں گے۔ اگر اس سے آگے بڑھ کر آپ اصلاح کے لیے کوئی عملی قدم نہ اٹھائیں، یہ جائزہ احتساب بذات خود آپ کی اصلاح کا پروگرام ثابت ہو گا، لیکن محض آپ کی اصلاح سے بات نہیں بنے گی۔ یہ کتاب آپ کو اس لیے دی گئی ہے کہ آپ اسے لے کر کھڑے ہوں، اور اسے دوسروں تک پہنچائیں۔ اس کے لیے اپنا وقت لگائیں اور اس کتاب کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں۔ یہ اللہ کی کتاب کا آپ پر حق ہے اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اسی حق کو ادا کرتے ہوئے گزری ہے۔

اگر ہم نے یقین اور ایمان سے قرآن کے ساتھ معاملہ کیا تو ایک ایک فرد کے، پوری قوم کے اور امت مسلمہ کے تمام مسائل اس طرح حل ہو جائیں گے کہ جیسے کبھی موجود ہی نہ تھے، ورنہ یہ مسائل ہمارے سر پر مسلط رہیں گے، زندگی اسی طرح ایک عذاب بنی رہے گی، اور اسی عذاب میں ہم سب زندگی بسر کرتے رہیں گے۔

درس قرآن اور فہم قرآن کی ضرورت واہمیت

امت مسلمہ کا عروج وزوال قرآن مجید سے وابستہ ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَاماً وَیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ [مسلم]

"یقینا اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے کچھ قوموں کو عزت، اقتدار اور سر بلندی سے نوازے گا اور کچھ قوموں کو ذلت اور پستی اور شکست سے ہمکنار کرے گا"۔

جو شخص دعوت و تبلیغ، اسلام اور اقامتِ دین کا پیغمبرانہ مشن اختیار کرنا چاہتا ہے، اس کے لیے لازمی ہے کہ وہ درس قرآن کا طریقہ سیکھے اور دعوت و تبلیغ کے لیے اس سے استفادہ کرے۔

قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت الی اللہ کا حکم دے کر قرآن پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔اس لیے کہ قرآن ایک کتاب دعوت وہدایت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں جو واقعہ نقل ہوا ہے، اس سے قرآن مجید کے تاثیر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور سچے اہل ایمان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ ان کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔

وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَاناً [الانفال: ۲]

"اور جب قرآن پاک کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے"۔

قرآن کریم کی مختلف آیات میں ذَکِّرْ بِہٖ، لِتُنْذِرَ بِہٖ اور جَاھِدْھُمْ بِہٖ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں جو اس امر کے متقاضی اور واضح ثبوت ہے کہ داعیانِ دین اور مبلغین اسلام کبھی قرآن سے غافل نہیں رہ سکتے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ مالٹا میں طویل قید گزار کر ہندوستان واپس تشریف لائے تو اپنی ہنگامہ خیز زندگی کے تجربات کا نچوڑ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"میں مالٹا سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کردوں کہ قرآن کریم کو لفظاً ومعناً عام کیا جائے"۔

اس کی تفصیل کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''ہم نے مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں۔ میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیاوی حیثیت سے کیوں ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے: ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا، دوسرا آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی... اس لیے میں وہیں سے عزم کر کے آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی میں قائم کیے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے''۔

اب لفظی تعلیم کا مبارک عمل مکاتب و مدارس کی شکل میں کافی حد تک زندہ ہے، لیکن معنوی تعلیم کا فریضہ مردان خدا کے حوصلوں کا منتظر ہے۔ ہمارے ملک کی تقریباً ستر فیصد آبادی ناخواندہ ہے اور ہماری مادری زبان بھی عربی نہیں ہے۔ تعلیم یافتہ افراد میں کتنے فیصد لوگ ایسے ہیں جو دینی رجحان رکھتے ہیں۔ شاید ان کی تعداد دس فیصد سے زیادہ نہ ہو۔ ان دس فیصد میں کتنے فیصد افراد ایسے ہیں جو قرآن مجید کو پڑھنے، سمجھنے، اس میں غور و فکر کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تعلیمات کو معاشرے میں عام کرنے کو جوش، جذبہ، ولولہ، لگن اور تڑپ رکھتے ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ صورتحال نہایت تشویش ناک ہے۔ علمائے کرام اور مساجد کے ائمہ حضرات کو چاہیے کہ تعلیم یافتہ افراد میں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کو سیکھنے اور سکھانے کا رجحان پیدا کریں۔ یہ مقصد گلی گلی، کوچہ کوچہ درس قرآن اور فہم دین کے محفلوں کو آراستہ کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

ایک سوال ذہن میں اٹھ سکتا ہے کہ فہم قرآن کیوں ضروری ہے؟ اس کے جواب میں یہ کہنا کافی ہے کہ یہ امت، امتِ دعوت ہے اور دعوت دینے کا ماخذ و منبع قرآن کریم ہے۔ اس لیے فہم قرآن کی بہت اشد ضرورت ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوت

کاماخذ بھی قرآن ہی تھا۔

اللہ تعالی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں کہ:

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا

"قرآن کریم کے ذریعے ان کے ساتھ جہاد کبیر کریں"۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ [المائدہ]

"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب کی تبلیغ کر جو رب کی طرف سے تم پر اترا ہے"۔

جب بھی آپ نے دعوت دی تو قرآن ہی کو مقدم رکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بھی گئے تو قرآن کی آیتیں لوگوں کو سنائیں۔ اسی طرح انفرادی طور پر بھی قرآن کی دعوت دی اور اجتماعی طور پر بھی قرآن کی دعوت دی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ:

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت شروع کی اور مسلمان بڑھنے لگے۔ تو عتبہ بن ربیع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ تم نے اپنی دعوت سے قوم کا شیرازہ بگاڑ دیا ہے۔ میں تمہارے سامنے چند تجاویز رکھتا ہوں اگر وہ تمہارے مقصود ہیں تو ہم اس کے لیے تیار ہے۔ اگر تمہیں اپنی دعوت سے مال مقصود ہے تو ہم تمہیں مالامال کردیں گے، اگر تم سرداری اور بادشاہی چاہتے ہو تو وہ بھی ہم دینے کو تیار ہیں، اگر آپ پر جن بھوت ہیں تو اس کے علاج کے لیے بھی ہم تیار ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں سورہ فصّلت کی تلاوت فرمائیں اور آیت سجدہ پر سجدہ کیا۔ اس اثناء میں وہ اٹھ کر چلا گیا۔ قریش نے جب دیکھا کہ عتبہ واپس آرہا ہے تو جب انہوں نے اس کے چہرے کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ اس پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جادو کا اثر ہو گیا ہے۔ جب انہوں نے عتبہ سے

پوچھا کہ کیا بنا؟ تو عتبہ نے جواب دیا کہ اس کا کلام نہ شعر ہے نہ سحر ہے نہ کہانت ہے اور نہ نجوم ہے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حالت پر چھوڑ دو۔ الغرض ہمارے دین کی بنیاد اور دعوت کا عنوان قرآن کریم ہے۔ اس لیے ہمیں اس کا سمجھنا ضروری ہے۔ جو قرآن چودہ سو سال پہلے کے چرواہے کو متاثر کر سکتا ہے وہ قرآن آج کے تعلیم یافتہ اور ماڈرن انسان کو بھی متاثر کر سکتا ہے۔

قرآن کریم سے تعلق کا اثر:

قرآن سے جس کا بھی تعلق ہو وہ خیر سے محروم نہیں رہے گا، کیونکہ قرآن خیر کی کتاب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

"خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ" [بخاری]

"تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن خود سیکھے اور دوسروں کو سکھائے"۔

ایک عام آدمی کے بارے میں آتا ہے کہ لوگوں نے اس کو خواب میں دیکھا کہ جنت میں ہے تو وہ لوگ آئے اور اس کے بیوی سے وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ اور تو کوئی خاص بات نہیں، لیکن وہ ان پڑھ تھا اور قرآن کی تلاوت نہیں آتی تھی لیکن اکثر قرآن کو اٹھاتے اور لکیروں پر انگلی پھیرتے اور اللہ تعالی سے دعاء کرتے کہ اس کو قبول فرما۔

اسی طرح ایک کتب خانے کے مالک ہندو تھے اور وہ قرآن کریم کو چھاپتا تھا، اور اس کے کتب خانے میں جتنے نوکر تھے، ان سے اس نے کہا تھا کہ بغیر وضو کے کوئی اس کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ جب وہ مرنے لگا تو مرنے سے پہلے اللہ تعالی نے اس کو ایمان کی دولت نصیب فرمائی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ الحمد للہ! تو یہ قرآن سے تعلق کا نتیجہ تھا کہ ایک ہندو کو اس کے ادب کرنے سے ایمان نصیب ہوا۔

فہم قرآن اور درس قرآن کا تعارف اور ضرورت

اسلامی شریعت کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ (۱) قرآن اور (۲) صاحب قرآن۔
یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ بعض اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ ایک قرآن ناطق ہے اور دوسرا قرآن صامت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن ناطق ہے۔ یعنی بولتا ہوا قرآن، چلتا پھرتا قرآن، سوتا جاگتا قرآن، جنگ کرتا ہوا قرآن اور دعوت و تبلیغ کرتا ہوا قرآن اور جو تیس پاروں میں محفوظ قرآن ہے، اس کو قرآن صامت کہتے ہیں۔

اسی قرآن ناطق اور صامت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اجمعین کی زندگیوں میں انقلاب آیا اور وہ جہاں بھی گئے، قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اپنے ساتھ لے کر گئے وہاں ایسے لوگ تیار کیے جن کا عقیدہ اور فکر، جن کی انفرادی اور اجتماعی زندگی قرآن کے موافق تھی۔ انہوں نے قرآن کو اس طرح پھیلایا کہ ہر گھر اور ہر مسجد قرآن کی تربیت گاہ بن گئی۔

مشہور سیاح ابن بطوطہ کے بارے میں آتا ہے کہ نو سو سال پہلے جب وہ دہلی میں آئے تو صرف دہلی کے اندر ایک ہزار مدارس تھے جہاں پر تمام علوم پڑھائے جاتے تھے۔ دہلی تو چھوڑ دیں، ٹھٹھہ کے بارے میں دو سو سال پہلے انگریز سیاحوں نے لکھا ہے کہ اس میں چار سو مدارس تھے۔ پھر انحطاط کا دور شروع ہوا، اور مسلمان قرآن سے ایسے غافل ہوئے کہ ضروریات دین سے بھی واقف نہ رہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ :

تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی تحریک دعوت کا آغاز دہلی سے کچھ فاصلے پر واقع میوات کے علاقے سے کیا۔ مولانا رحمہ اللہ نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا! نماز پڑھتے ہو؟ جواب ملا نہیں... پوچھا کلمہ تو آتا ہو گا جواب ملا نہیں... پوچھا قرآن پڑھتے ہو؟ جواب آیا نہیں مگر دیکھا ضرور ہے۔ ایک صاحب بولے میرے گھر میں پڑا ہے۔ مولانا رحمہ اللہ نے کہا کہ لے آؤ۔ وہ قرآن لایا جو گائے کے گوبر سے لیپا گیا تھا۔ یہ ہندو معاشرے کا اثر تھا کیونکہ ہندوؤں کے ہاں گائے اور اُس کا گوبر متبرک ہوتا ہے۔ ایسا اس لیے ہوا کہ دینی لحاظ سے مسلمان اس قدر دینی انحطاط پذیر تھے کہ انہیں یہ تک علم نہ تھا کہ قرآن کا احترام کیسے کیا جاتا ہے۔

فہم قرآن کی اہمیت

آج کل اگر دیکھا جائے تو قرآن کریم کو مدارس میں وہ حق نہیں ملتا جو اُسے ملنا چاہیے۔ درس قرآن کی کلاس کو نہ طلبہ اہمیت دیتے ہیں اور نہ ہی انتظامیہ، بلکہ بعض مدارس میں تو قرآن کریم کے ساتھ اتنا ظلم ہوتا ہے کہ جو استاد اس کو پڑھاتا ہے، وہ چھوٹے درجوں کا استاد ہوتا ہے اور طلباء کے عدم توجہی کے سبب اکثر اوقات اس کو ادھورا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ ہماری بے چارگی اور بے مائیگی ہے کہ ہم قرآن کریم کو توجہ اور اہمیت نہیں دے رہے، بلکہ سوچ بچار کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہمارے خواص کے دلوں میں بھی فہم قرآن کی اہمیت ختم ہو چکی ہے۔ جبکہ فہم قرآن کی اہمیت قرآن وحدیث اور اقوال سلف سے بھی ثابت ہے۔

فہم قرآن' قرآن کے نظر میں:

سورہ صٓ میں اللہ تعالی فرماتے ہے کہ:

كِتَابٌ اَنۡزَلۡنَاهُ اِلَيۡكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ

"یہ کتاب ہم نے تم پر نازل کی ہے، برکت والی کتاب ہے۔ تاکہ اس کے آیات میں تدبر سے کام لیا جائے اور عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں"۔

سورہ مائدہ میں اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ:

وَاِذَا سَمِعُوا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَى الرَّسُوۡلِ تَرٰۤى اَعۡيُنَهُمۡ تَفِيۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ مِمَّا عَرَفُوۡا مِنَ الۡحَقِّ

"جب انہوں نے رسول پر نازل ہونے والے کلام کو سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو ابل رہے تھے اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا"۔

اسی طرح سورہ بقرہ میں اللہ تعالی فرماتے ہے کہ:

يُؤۡتِى الۡحِكۡمَةَ مَنۡ يَّشَآءُ ‌ۚ وَمَنۡ يُّؤۡتَ الۡحِكۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِىَ خَيۡرًا كَثِيۡرًا

"جسے حکمت عطاء کردی گئی تو اسے خیر کثیر عطاء فرمایا گیا"۔

اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ کا خیرِ قلیل بھی قلیل نہیں اور یہاں خیر کثیر کا لفظ استعمال کیا جو کہ لاتعداد نعمتوں پر دلالت کرتی ہے۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حکمت کی تفسیر بیان کرتے

ہے کہ اس سے مراد" فہم قرآن کریم" ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر میں کمال کی دعا دی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی بنا پر اُن کو اپنی مجلس میں بٹھاتے تھے کہ وہ قرآن کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

عدم فہم قرآن، قرآن کریم کے روشنی میں:

اسی طرح ان لوگوں کی مذمت قرآن وحدیث میں ہوئی ہے جو کہ قرآن پر عمل نہیں کرتے اور اس میں تدبر نہیں کرتے۔اللہ تعالی سورہ انعام میں فرماتے ہے:

وَمِنْهُمْ مَنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ۔

"ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو بظاہر کان لگا کر بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں"۔

لیکن اللہ تعالی فرماتا ہے:

وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْ آذَانِهِمْ وَقْرًا

"ہم نے ان کے دلوں پر پردہ ڈالا ہوا ہے تاکہ سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں ڈھاٹ لگا دیئے ہیں"۔

دوسری جگہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا

"ان کے دل ہیں، لیکن وہ اس سے فکر نہیں کرتے اور ان کے آنکھیں ہیں، لیکن اس سے وہ حق کو نہیں دیکھتے، اسی طرح ان کے کان بھی ہے لیکن وہ حق سے بہرے ہیں"۔

سورہ محمد میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا

"یہ لوگ کیوں قرآن میں تدبر نہیں کرتے بلکہ ان کے دلوں کو تالے لگے ہیں"۔

سورہ فرقان میں ہے کہ قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی سے شکوہ کریں گے اور اپنی امت کے خلاف اللہ تعالیٰ کے دربار میں استغاثہ دائر کریں گے:

اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوْرًا

"اے میرے رب میری قوم نے قرآن کریم کو پس پشت ڈالا تھا"۔

ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

وَتَرْكُ تَدَبُّرِهِ مِنْ هِجْرَانِهِ

"قرآن کریم میں تدبر نہ کرنا ہی اس کا چھوڑنا ہے"۔

تفاسیر میں لکھا گیا ہے کہ اس وعید کے تحت عدم فہم قرآن بھی آتا ہے۔

عدم فہم قرآن احادیث کی روشنی میں:

احادیث میں بھی اس بارے میں بہت کچھ مواد ملتا ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوارج کے بارے میں فرماتے ہیں:

يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ

"یہ لوگ قرآن کو پڑھتے ہیں لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا"۔

امام زرکشی رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

ذَمَّهُمْ بِأَحْكَامِ أَلْفَاظِهِ وَتَرْكِ التَّفَهُّمِ لِمَعَانِيهِ

"اللہ تعالی کے نبی نے ان کی مذمت اس لیے کی ہے کہ الفاظ پر تو ان کی بڑی توجہ ہے اور معانی میں غور وفکر نہیں کرتے"۔

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہے:

سَيَاتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ تَكْثُرُ فِيهِ الْقُرَّاءُ وَتَقِلُّ الْفُقَهَاءُ وَتَكْثُرُ الْهَرَجُ ثُمَّ يَاتِي بَعْدَ ذَالِكَ زَمَانٌ يَقْرَءُ الْقُرْآنَ رِجَالٌ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيهِمْ۔ [المستدرک علی الصحیحین]

"ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس میں قراء کی کثرت ہوگی اور فقہاء کی قلّت ہوگی اور پھر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ چند لوگ قرآن کو پڑھیں گے، لیکن ان کے حلق سے قرآن نیچے نہیں اترے گا"۔

فہم قرآن اقوال سلف کی روشنی میں :

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہے کہ قرآن کو نہ اشعار کی طرح پڑھو اور نہ ردی کھجوروں کی طرح پھینکو، بلکہ فرمایا:

قِفُوا عِنْدَ عَجَائِبِهٖ وَحَرِّكُوا بِهِ الْقُلُوبَ وَلَا يَكُنْ هَمُّ اَحَدِكُمْ آخِرَ السُّوْرَةِ

"اس کے عجائب سن کر رک جاؤ اور اس پر اپنے دل میں تڑپ لاؤ اور تمہاری کوشش یہ نہ ہو کہ جلد از جلد سورت ختم ہو جائے"۔

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہے:

اِنِّی لَاَعْجَبُ مِمَّنْ قَرَءَ الْقُرْآنَ وَلَمْ يَعْلَمْ تَاوِيلَه كَيْفَ يَتَلَذَّذُ بِقِرَائَتِهٖ

"مجھے اس شخص پر تعجب ہوتا ہے کہ جو قرآن پڑھتا ہے اور اسکے معانی نہیں سمجھتا کہ وہ اس سے کیسے لذت حاصل کرتا ہے"۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہے:

يَا بْنَ آدَمَ كَيْفَ يَرِقُّ قَلْبُكَ وَاِنَّمَا هِمَّتُكَ فِي آخِرِ السُّورَةِ

"اے ابنِ آدم! تمہارا دل کیسے نرم ہوگا حالانکہ تمہارا دل سورت کے آخر کے ساتھ لگا ہوا ہے یعنی کہ سورت کب ختم ہو گی"۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہے:

اَلْمَطْلُوبُ مِنَ الْقُرْآنِ هُوَ فَهمُ مَعَانِيهِ وَالْعَمَلُ بِهٖ فَاِنْ لَمْ تَكُن هٰذِهٖ هِمَّةُ الحَافِظِ لَمْ يَكُن مِن اَهْلِ الْعِلْمِ وَالدِّيْنِ

"قرآن سے مقصد اس کے معانی کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہے اور جس کا یہ مقصد نہیں ہے تو وہ نہ علم والوں میں سے ہے اور نہ ہی دین والوں میں سے۔"

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہے:

اِذَا مَرَّ مُتَدَبِّرُ الْقُرْآنِ بِآيَةٍ وَهُوَ مُحْتَاجٌ اِلَيهَا فِي شِفَاءِ قَلْبِهٖ كَرَّرَهَا وَلَو مِأَةَ مَرَّةٍ وَلَوْ لَيْلاً فَقِرَائَةُ آيَةٍ بِتَفَكُّرٍ وَتَفَهُّمٍ خَيْرٌ مِن قِرَائَةِ خَتْمَةٍ بِغَيْرِ تَدَبُّرٍ وَ تَفَهُّمٍ

"جب قرآن میں کوئی تدبر کرنے والا کوئی ایسا آیت پڑھتا ہے جو کہ اس کے دل کو جلاء بخشتا ہے تو وہ اس کو بار بار پڑھتا ہے اگرچہ ساری رات گزر جائے، ایک آیت کا تفکر وتدبر سے پڑھنا بغیر تفکر وتدبر کے ختم سے بہتر ہے"۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک دفعہ مسجد کے امام نے نماز میں سورہ زلزال پڑھی، جب امام نماز سے فارغ ہوئے اور لوگ چلے گئے تو امام صاحب مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ گئے اور

فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ

"جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی ہو تو وہ اس کو دیکھ لے گا"

پڑھتے رہے اور روتے رہے۔اسی طرح یہ واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب سورہ یس کی یہ آیت پڑھی:

"وَامۡتَازُوا الۡیَوۡمَ اَیُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ"

"اے مجرمو! آج [ہم سے] دور ہو جاؤ"

تو ساری رات اس آیت کو پڑھتے رہے اور روتے رہے۔

تدبر قرآن

تدبر کا معنی و مفہوم:

بعض علماء نے تدبر کی تعریف یوں کی ہے:

فَهْمُ مَعَانِي اَلْفَاظِهٖ وَالتَّفَكُّرُ فِي مَاتَدُلُّ عَلَيْهِ آيَاتُهٗ

"قرآن پاک میں الفاظ کے معانی کو سمجھنا اور آیتوں سے اخذ شدہ مضامین میں سوچنا"۔

تدبر کی اہمیت قرآن کریم سے:

قرآن کریم کی بے شمار آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے تدبر و تفکر کی ترغیب دی ہے اور تدبر کو نظر انداز یا کنارہ کشی اختیار کرنے والوں کے بارے میں بڑی سختی سے کلام کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهٖ۔ [ص: ۲۹]

"میں نے جو برکت والی کتاب تمہاری طرف نازل کی ہے، اس لیے کہ تم اس میں تدبر کرو"۔

اسی طرح فرماتے ہیں:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا

"تم قرآن پاک میں تدبر کیوں نہیں کرتے کیا تمہارے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں"۔

تدبر قرآن کے طریقے:

ہماری شریعت میں بعض ایسے امور ہیں کہ جو صرف تدبر اور تفکر کے لیے مشروع ہوئے ہیں۔ یعنی تدبر قرآن کے ساتھ مندرجہ ذیل امور لازم و ملزوم اور ضروری ہے۔

* قرآن کا نزول تدبر کے لیے ہے:

علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہے کہ:

نَزَّلَ اللّٰهُ الْقُرْآنَ لِلتَّدَبُّرِ وَالتَّفَكُّرِ فِي مَعَانِيهِ لَا لِمُجَرَّدِ التِّلَاوَةِ بِدُوْنِ التَّفَكُّرِ

"اللہ تعالی نے قرآن کریم کو اس کے معانی میں تدبر و تفکر کے لیے نازل کیا ہے صرف تلاوت کے لیے نازل نہیں کیا ہے"۔

* دوسری چیز تدبر قرآن کے لیے ترتیل ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت ترتیل کے ساتھ کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے سے اس کے معانی کے بارے میں سوچا جائے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں:

اَحۡسِنُوا النَّاسَ قِرَائَۃَ الَّذِی اِذَا قَرَءَ رَأَیۡتَ اِنَّہٗ یَخۡشَی اللّٰہَ

"سب سے اچھا قاری وہ ہے کہ جو قرآن پڑھے تو تمہارا دل یہ گواہی دے کہ وہ اللہ تعالی سے ڈرتا ہے"۔

* تیسری چیز تدبر قرآن کے لیے قیام اللیل ہے۔

صلوٰۃ اللیل کے بارے میں آتا ہے:

اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیۡلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطۡأً وَاَقۡوَمُ قِیۡلاً

"یہ صلوٰۃ اللیل نفس کا اہتمام کرتا ہے اور پھر داعی کی زبان سے بات خوب ٹھیک نکلتی ہے"۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ [اقوم قیل] کا تفسیر بیان کرتا ہے:

ھُوَاَجۡدَرُ اَنۡ یُفۡقِہَ الۡقُرۡآنَ

"جو شخص صلوٰۃ اللیل پڑھتا ہے تو اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ قرآن کو سمجھ کر پڑھے"۔

بہر حال صلوۃ اللیل کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ صلوٰۃ اللیل [تہجد] پڑھنے سے قرآن کے سمجھنے میں معاونت ملتی ہے۔

* چوتھی چیز تدبر قرآن کے لیے تجوید ہے۔

تجوید کا حاصل یہ ہے کہ الفاظ اور حروف اپنے صحیح مخارج سے ادا ہو یعنی نطق صحیح

ہو اور اس میں غلطی نہ ہو اور علماء فرماتے ہے:

سَلاَمَةُ النُّطْقِ تَزِيدُ الفَهْمَ

"نطق [الفاظ] کا صحیح ہونا فہم میں اضافہ کرتا ہے"۔

* پانچویں چیز تدبر قرآن کے لیے استعاذہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہے:

اِذَا قَرَءْتَ القُرْآنَ فَاستَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيمِ [نحل:]

"جب تم قرآن کریم پڑھنے لگو تو شیطان سے پناہ مانگو"۔

علماء کرام فرماتے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے استعاذے کا حکم اس لیے دیا ہے تاکہ فہم قرآن میں شیطان وسوسے نہ ڈالے اور انسان شیطان کے وسوسوں سے محفوظ رہے۔یعنی شیطان کے وسوسوں سے استعاذے کے لیے قرآن کی تلاوت سے پہلے تعوذ پڑھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

* چھٹی چیز تدبر قرآن کے لیے خاموشی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہے کہ:

وَاِذَا قُرِءَ القُرآنُ فَاستَمِعُوالَهُ وَاَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ [اعراف]

"جب قرآن کریم پڑھا جارہا ہو تو اس کو توجہ سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم ہو"۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہے کہ:

اَمَرَهُم لِيَنتَفِعُوا بِهِ وَيَتَدَبَّرُوا مَا فِيهِ مِنَ الحُكْمِ وَالمَصَالِحِ

"ان کو چُھپ رہنے کے لیے اس لیا کہا گیا کہ اس سے فائدہ حاصل کریں اور اس کے حکمتوں اور مصالح میں سوچ سے کام لیں"۔

* ساتویں چیز تدبر قرآن کے لیے قرآن کا جہراً پڑھنا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قرآن کو آہستہ آواز سے پڑھ رہے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت زور سے پڑھ رہے تھے تو نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ سے وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ یہ اس لیے کہ سوئے ہوئے جاگ جائیں اور شیطان بھاگ جائے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں جس [اللہ] کو سنا رہا ہوں وہ ہر حال میں سنتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم تھوڑا آہستہ پڑھو اور ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم تھوڑا اونچی آواز سے پڑھو۔ یعنی قرآن کریم نہ زیادہ آہستہ آواز میں پڑھا جائے اور نہ ہی اونچی آواز میں۔ عام طور پر بھی یہ بات ہے کہ جب انسان اونچی آواز سے تلاوت کرتا ہے تو اس کا ذہن دوسری طرف نہیں جاتا۔

* آٹھویں چیز حسن ابتداء اور وقف ہے۔

یعنی ابتداء بھی اچھی جگہ سے کرنی چاہیے اور وقوف پر ٹھہرنا بھی چاہیے۔ تاکہ معنی درست بنے اور فہم میں آجائے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہے:

وَيَنبَغِی لِلقَارِی اِذَا بَدَءَ مِنْ وَسَطِ السُورَةِ اَو وَقفِ عَلی غَیرِ آخِرِهَا اَنْ یَبْتَدِءَ مِنْ اَوَّلِ الکَلَامِ المُرْتَبِطِ بَعضَه بِبَعضٍ وَاَن یَقِفَ الکَلَامَ المُرتَبِطِ وَلَایَتَقَیَّدُ بِالآشَارِ وَالاَجْزَاءِ فَاِنَّهَا قَدتَکُونُ فِی وَسَطِ الکَلَامِ

"قاری کے لیے مناسب یہ ہے کہ جب وہ سورت کے شروع سے ابتداء کریں یا اختتام کریں سورۃ کے خاتمے سے پہلے، تو اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ ایسے کلام سے ابتداء کریں جو آپس میں مربوط ہو اور اختتام کریں تو ایسی جگہ پر کریں جو کہ آپس میں مربوط ہو اور اشارات اور اجزاء پر وقف نہ کریں کیونکہ بعض دفعہ اشارات کلام کے وسط میں ہوتے ہیں"۔

جیسے بعض لوگ تیرھواں پارہ ابتداء سے شروع کرتے ہیں حالانکہ یہ بارھویں پارے کے آخر سے جڑا ہوا ہے۔ اسی طرح ستائیسویں پارے سے جو لوگ ابتداء کرتے ہیں وہ بھی غلطی کرتے ہیں کیونکہ اس کا تعلق بھی پہلے آیت سے ہے۔ لہٰذا مضمون کو پورا کرنا چاہئے۔ اسی طرح اور بھی ایسی غلطیاں ہیں جو کہ خواص میں عام ہیں اور اس کو غلطی ہی نہیں سمجھا جاتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی غلطیوں سے بچائے رکھیں۔ آمین

تدریس کا طریقہ

درس دیتے ہوئے دو باتوں کا خیال رکھنا از بس ضروری ہے۔

پہلی بات:

پہلی بات تو یہ کہ لوگوں کو دیکھا جائے کہ کس طبقہ کے لوگ میرے سامنے بیٹھے ہیں۔ اگر آپ کے سامنے عوام زانوئے تلمذ ہیں اور آپ کا معیار گفتگو اُن کی علمی سطح سے بالاتر ہے تو اُن کے پلّے کچھ نہیں پڑے گا۔ ایسا نہ ہو کہ مجمع تو عوام کا ہو اور ہم ان کے سامنے مولانا ابوالکلام آزاد کا اسلوب شروع کر دیں تو اُن کے پلّے کچھ نہیں پڑے گا، بلکہ اپنا اور ان کا وقت ضائع ہوگا۔ جیسے ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ [اَلاِسلَامُ بَدَءَ غَرِیباً وَسَیَعُودُ کَمَا کَانَ] کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

" یہودیوں کی مغضوبیت، نصاریٰ کی ضلالت، مشرکین کی بت پرستی، آئمہ مضلین کی کثرت، دجاجلہ فتن، دعاۃ بدعت کا احاطہ، اقتداء بغیر سنت، اہتداء بغیر ھدی الانبیاء، تفرق وتذھد مثل یہود اور غلو واطراء مثل نصاریٰ، فتنہ شبھات یونان، فتنہ شہوات عجم، فتنہ تماثیل عبدۃ الاصنام، فتنہ قبور عاکفین کنائس، ان میں سے کوئی نحوست ایسی نہیں ہے کہ جو آج کے مسلمانوں میں نہ ہو"۔

تو اگر ایسا کلام آپ عوام کے سامنے بیان کریں گے تو اس کے پلے کچھ نہیں پڑے گا۔ اسی طریقے سے اگر خواص کا مجمع ہو تو اس مجلس میں بے سند قصے اور کہانیاں اور لطائف وظرائف سنانا بھی مدرس کے وقار کو مجمع کی نظروں سے گرا دیتا ہے۔

اسلاف سے چند نمونے:

شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ بیان اور درس دینے والے کو چاہئے کہ مخاطبین کا خیال رکھ کر زبان اور انداز اختیار کرلے ایسا نہ ہو کہ عوام کے سامنے علمی اصطلاحات استعمال کرنے لگے اور پٹھانوں کے سامنے اردو اور پنجابی کے الفاظ استعمال کرنے لگے اس سے مفہوم میں کوتاہی آجاتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنی قوم کی

زبان اور لب و لہجہ میں بھیجے تھے تاکہ قوم ان کی دعوت اور مسئلہ کو اپنی زبان میں وضاحت کے ساتھ سمجھ سکے۔

حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ روزانہ تین درس دیتے تھے۔ایک درس عوام کے سامنے ہوتا تھا اور ٹھیٹھ پنجابی زبان میں درس دیتے تھے۔حالانکہ ان کی مادری زبان پشتو تھی کیونکہ وہ سوات کے باسی تھے۔تو اگر مولانا صاحب پشتو ہی میں درس فرماتے تو پنجابیوں کے پلے کچھ نہ پڑتا۔ دوسرا درس کالج میں ہوتا تھا اور اس میں علمیت کا معیار کچھ بلند ہوتا۔ تیسرا درس طلباء میں ہوتا تھا اور ان کے ذہنی استعداد کے پیش نظر اُن کا علمی معیار کچھ اور ہوتا تھا۔

ایک علمی لطیفہ :

استاد المنطق محمد ابراھیم بلیاوی رحمہ اللہ ایک دفعہ کچھ خریدنے گئے اور دکان دار سے جھگڑا ہو گیا، دوکاندار کا نام مقصود تھا لوگ آئے اور وجہ پوچھی تو اس دکاندار نے کہا کہ اس نے مجھے گالی دی کہ مقصود بدذات ہے۔جب مولوی صاحب سے وجہ پوچھا گیا تو اس نے فرمایا کہ نہیں میں نے جب دیکھا کہ مولی چھوٹی ہے اور پتے زیادہ ہیں تو میں نے کہا کہ " مقصود بالذات کم ہے مقصود بالعرض سے"۔تو اس وجہ سے یہ مجھ سے الجھ گیا۔پھر شاگردوں نے اس دکاندار کو سمجھایا کہ مولوی صاحب کا یہ مطلب نہیں ہے اور یوں مولانا صاحب بڑی مصیبت سے بچ گئے۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے دو درس ہوتے تھے۔ایک عوام کے لیے اور دوسرا خواص کے لیے۔خواص کے درس میں عوام کو بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔

دوسری بات :

دوسری بات جس کو ملحوظ نظر رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ درس کا مقصد کیا ہونا چاہیے ؟ ویسے تو اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ اس کا مقصد اللہ تعالی کی رضا قوم کی اصلاح اور دنیا میں صالح انقلاب کا برپا کرنا ہے ، لیکن حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے درس قرآن کے تین مقاصد بیان کیے ہیں۔

درس کے مقاصد:

[۱] تہذیب نفوس البشر:

درسِ قرآن کا مقصود انسانی نفوس کو مہذب بنانا ہے، انہیں بری قباحتوں سے بچا کر اچھے اوصاف کا حامل بنانا ہے۔ انبیاء نے بھی انسانی نفوس کے تہذیب پر محنت کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا احادیث میں منقول ہے:

اَللّٰھُمَّ اَعطِ نَفسِی تَقوَاھَا وَزَکِّھَا اَنتَ خَیرُمَن زَکّٰھَا

"اے اللہ ! تو میرے نفس میں تقویٰ پیدا فرما اور اس کو تمام آلائشوں سے پاک کردے،

کیونکہ تو ہی بہترین پاک کرنے والا ہے"۔

[۲] دمغ العقائد الباطلہ:

باطل عقائد کی نشاندہی اور اُسے جڑ سے اکھاڑنا بھی درس قرآن کے مقاصد میں شامل ہے۔ جیسے شرک فی الالوہیت شرک فی الصفات، شرک فی الاسباب، بت پرستی اور قبر پرستی وغیرہ، یہ ایسے عقائد ہیں کہ جس کا قلع قمع کرنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ کفر والحاد، دجالیت، انکارِ ختم نبوت، اباحیت (نفس پرستی) رفض وشیعیت، فلاسفہ کے نظریات، مارکس، میکاولی اور فرائیڈ کے باطل نظریات کی علمی اور سنجیدہ انداز میں تردید اور مذمت ہونی چاہیے۔ تقابل ادیان کو بھی درسِ قرآن میں دخیل ہونا چاہیے، تاکہ تمام ادیان پر اسلام کی فوقیت کو ظاہر کیا جاسکے۔ جہاں ممکن ہو جدید مروجہ باطل عقائد اور فتوں کا سد باب بھی ہونا چاہیے، تاکہ لوگوں کو گمراہی اور ارتداد سے بچایا جاسکے، لیکن جس فتنے اور ٹولے سے عوام ناآشنا ہوں تو اس کا ذکر کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ مولانا عبدالماجد دریاآبادی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں مرتد ہوگیا تھا اور اس کے وجوہات میں سے ایک سبب انگریزی کتابوں کا مطالعہ تھا۔ اور مغربی محققین سے بہت متاثر تھا۔ ایک دفعہ میں نے ایک انسائیکلو پیڈیا کا مطالعہ کیا کہ اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تراشیدہ تصویر پر نظر پڑی جو (معاذ اللہ) تخریب کار اور جنگجو کی طرح دکھائی دے رہے

تھے، تو میں نے اپنے ساتھ دھیمے لہجے میں کہنے لگا کہ جس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہم دیوانے ہیں اُس کی حقیقت آج کھل کر سامنے آئی ہے۔اسی طرح انسانی نفسیات پر مشتمل کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا اور اُس میں مصنف نے لکھا تھا کہ بعض دفعہ انسان کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ وہ غیبی خبریں بھی بتا دیتے ہیں جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ، کہ وہ بھی غیبی خبریں دیا کرتے تھے۔ یہ میرے ارتداد کی دو بڑی وجوہات تھیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ذریعے ہدایت عطاء فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے بہت بڑا کام لیا اور اسلام کا بہت دفاع کیا۔اسی طرح میرے پاس ایک کتاب پروف ریڈنگ کے لیے آئی تو میں نے اس کے مالک سے کہا کہ یہ تو نے کس رافضی سے لکھی ہے؟ وہ ایک ادبی کتاب تھی۔اس نے چوکنا ہو کر کہا کہ تم کو کیسے پتہ چلا؟ تو میں نے جواب دیا کہ اگرچہ یہ ایک ادبی کتاب تھی لیکن مصنف سے جب کچھ نہ ہو سکا تو بعض کرداروں کے نام کے ساتھ نقوی، ترابی وغیرہ کے القابات لگا لیے۔درسِ قرآن کے دوران مدرس کو اس طرح کے شبہات پر بات کرنی چاہیے۔

[۳] نفی الاعمال الفاسدۃ:

تیسرا مقصد نفی الاعمال الفاسدۃ ہے۔جیسے نئے نئے نظریات کا پیدا ہونا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا احسان دیکھیں کہ اس نے ایسی کتاب نازل کی ہے کہ اس میں ہر فتنے کا جواب موجود ہے۔کائنات کے سارے نظریات کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں تو قرآن کریم نے اشارات میں سب نظریات کی تردید کی ہے۔

تو خلاصہ یہ کہ درس کے تیاری کرتے وقت دو چیزیں مد نظر رکھنی چاہیے۔

[۱] ایک مخاطبین کی ذہنی سطح

[۲] دوسرا مقاصد درس

درس کی تیاری

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ مطالعہ اور تیاری کے بغیر درسِ قرآن کبھی نہیں دینا چاہیے، کیونکہ تیاری کے بغیر مدرس اکثر اوقات بے ربط بولنے لگتا ہے، اس لیے درسِ قرآن سے پہلے مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ایسے لوگ بھی گزرے ہیں کہ سالہاسال کے دروس کے باوجود بھی وہ مطالعہ کرتے تھے۔

ایک عالم کا علمی پیاس:

ایک دفعہ میں سرگودھا کے ایک قصبہ چوکیرہ میں ایک عالم مولانا قطب الدین صاحب کے مدرسے میں اُن سے ملنے گیا تو اس وقت اس کی عمر تقریباسو سال تھی لیکن ھدایۃ کا مطالعہ کر رہے تھے۔ میں نے کہا کہ آپ کو مطالعے کی کیا ضرورت ہے۔ توانہوں نے جواب دیا کہ میں مطالعے کے بغیر درس نہیں دیتا۔ تو مطالعہ کرنا چاہیے، بالخصوص درس قرآن کے لیے مطالعہ کرنا بے حد ضروری ہے۔اسی طرح مدرس کو مطالعہ میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اگر وہ ذہین آدمی ہے تو ذہن میں اپنے مطالعے کو رکھے اور یاد سے پڑھائے اور اگر ذہین نہیں ہے تو اپنے مطالعے کے دوران اشارات لکھا کرے تاکہ بعد میں درس کے دوران دشواری نہ ہو اور مطالعہ میں کوئی بات یا حوالہ بھول نہ جائے۔اسی طرح یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ آج تک ایسی تفسیر نہیں ملی جو کہ ہر اعتبار سے مکمل ہو، لہٰذا ایک تفسیر پر اکتفاء نہیں کرنا چاہیے۔

ہاں علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس کے بارے میں مکمل طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ ہر پہلو سے مکمل ہے۔اسی طرح یہ بات بھی ذہن نشین کرنی چاہیے کہ صرف افادے کے لیے مطالعہ نہ کریں, بلکہ استفادے کے لیے مطالعہ کرنا چاہیے۔

دوسروں کے ساتھ ساتھ اپنے فائدے کا بھی خیال رکھیں اور جو آیت، حدیث اور حکم سامنے آئے تو اس پر سب سے پہلے عمل کریں اور پھر اس کو لوگوں کو سنائے تو اس میں اثر بھی زیادہ ہوگا۔ تفاسیر کے مطالعے کے ساتھ ساتھ مشائخ کرام جو تفسیر کے ائمہ ہے کے کیسٹ وسی

ڈیز سے بھی استفادہ کرنا چاہئے۔اسی طرح کبھی کبھی اہل باطل کی تفاسیر بھی مطالعہ کرنی چاہییں، تاکہ طریقہ استدلال میں آسانی ہو بشرطیکہ علم اور استعداد ہو۔جیسے مولانا احمد رضاخان بریلوی نے "وَاستَغفِرۡ لِذَنبِكَ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالمُؤۡمِنَاتِ" کا ترجمہ یوں کیا ہے:

"آپ ﷺ کے جو مخصوص لوگ ہیں ان کے لیے اور عام مومن مرد وعورت کے لیے دعاء مغفرت مانگیے"۔

حالانکہ یہ ترجمہ قدیم اور جدید مفسرین میں سے کسی نے بھی نہیں کیا۔

اسی طرح مفتی احمد یار خان گجراتی نے " مَثَلُ الَّذِيۡنَ يُنفِقُونَ اَموَالَهُم " کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس سے تیجہ ،ساتواں وغیرہ ثابت ہوگیا۔تو موازنے کے طور پر اہل باطل کے تراجم بھی دیکھتے رہنا چاہیے تاکہ ان کے غلط استدلال پر رد ساتھ ساتھ ہو۔اسی طرح سر سید احمد خان نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ملائکہ سے مراد مخلوقات کے خصائص ہیں اور جنات سے مراد جنگلی لوگ ہیں۔سود مفرد کو حلال کہا ہے اور استدلال کیا ہے کہ قرآن میں ہے:

لَا تَاكُلُوا الرِّبٰوا اَضعَافًا مُضَاعَفَةً۔

"اے لوگو! سود در سود نہ کھاؤ"۔

تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سود مرکب حرام ہے اور سود مفرد حلال ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کے افادے کے ساتھ ساتھ خود اپنا فائدہ بھی پیش نظر رکھنا چاہئے تاکہ پڑھانے کے ساتھ ساتھ عمل کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ عطاء فرمائیں اور خود اگر ہفتہ وار موضوعاتی درس کی تیاری کرنی ہو تو کوئی موضوع اپنے لیے چننا ضروری ہے۔اس کے لیے قرآن کریم سے اس موضوع پر آیات کا انتخاب کرنا چاہیے۔پھر احادیث میں سے اس موضوع کے مناسبت سے احادیث ڈھونڈنے چاہیے۔پھر اقوال صحابہ اور سلف الصالحین کے اقوال سے اس موضوع کو واضح کرنا چاہیے، لیکن عام طور پر لوگوں کا یہ مزاج بن گیا ہے کہ تفاسیر سے متعلقہ موضوع پر لکھی گئی کتاب سے تیاری کرتے ہیں، یہ بھی صحیح ہے۔

پھر تفاسیر دو طرح کے ہیں۔ایک اردو کی تفاسیر اور دوسری عربی کی تفاسیر۔ اردو تفاسیر میں تفسیر عثمانی ، تفسیر معارف القرآن ، تفسیر بیان القرآن،جواہر القرآن، آسان ترجمۃ القرآن کو دیکھناچاہیے۔ اور تفسیر ابن کثیر کا بھی اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے، اس کا مطالعہ کرنا بھی نہایت ہی مفید ہے۔مجھ سے جو لوگ مشورہ لیتے ہیں تو میں ان کو تفسیر ماجدی کا حوالہ دیتاہوں، کیونکہ مولانا عبدالماجد حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مریدوں میں سے تھے، اور جہاں بھی کوئی مسئلہ پیش آتاتواُن سے مشورہ لیتے تھے۔انہوں نے ایک دفعہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو خط لکھااور اس میں لکھاتھاکہ میں تفسیر لکھنے سے پہلے وضو کرتا ہوں اور دو رکعت پڑھتاہوں اور پھر یہ دعاپڑھتاہوں:

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي

"اے میرے رب میرا سینہ کھول دے اور میرے لیے کام آسان فرمادے، میری زبان کا گرہ کھول دےاور مجھے سمجھ بوجھ عطافرما"۔

اور پھراس کے بعد لکھناشروع کرتاہوں۔تواس خط سے پتہ چلتاہے کہ وہ تفسیر لکھنے سے پہلے اس کے آداب کاکتنااہتمام کرتے تھے۔

تفسیر ماجدی کی خصوصیات:

مولانا عبد الماجد دریاآبادی کی تفسیر ماجدی کے خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ مختلف ادیان کے ساتھ قرآن کریم کاموازنہ کرکے قرآن کریم کی فوقیت اس پر ثابت کرتے ہیں۔ مختلف انسائیکلو پیڈیاکے حوالے بھی دیتے ہیں اور ان سے ثابت کرتے ہے کہ قرآن کریم ہی ایسی کتاب ہے کہ جو دوسری کتابوں میں مسخ شدہ روایات کی تصحیح کرتاہے۔میں دو مثالیں دیتاہوں۔اللہ تعالیٰ فرماتاہے:

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا

[بقرہ: ۱۰۲]

"اور انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جو شیطان سلیمان کی بادشاہت کے وقت پڑھتے تھے، اور سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا لیکن شیطانوں نے ہی کفر کیا"۔

تو اس آیت میں [وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ] سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے سلیمانؑ سے کفر کی نفی کی ہے، حالانکہ بڑی شخصیت سے گناہ کی نفی کرنا اس کی تعریف نہیں ہوتی بلکہ تنقیص شمار ہوتی ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ میرے استاد نے کبھی چوری نہیں کی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے کیوں کفر کی نفی کی ہے؟ اب تفسیر ماجدی نے یہ ثابت کیا ہے کہ اصل میں بائبل میں یہ بات موجود ہے کہ سلیمانؑ نے اپنے بیویوں کو خوش کرنے کے لیے بتوں کی عبادت کی تھی۔ تو قرآن نے اس کی تردید کی:

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ "سلیمانؑ نے کوئی کفر نہیں کیا تھا"

تو اب بات سمجھ میں آگئی کہ قرآن میں سلیمانؑ کے بارے میں یہ کیوں کہا گیا ہے؟

اسی طرح دوسری مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساتویں پارے میں مختلف انبیاء کا تذکرہ کیا ہے اور پھر فرماتے ہے:

كُلٌّ مِنَ الصَّالِحِيْنَ "سب کے سب نیک وصالح ہیں"۔

اب سوال ذہن میں اٹھتا ہے کہ نبی تو ہوتا ہی صالح ہے تو پھر یہ کیوں کہا؟ کہ یہ سارے صالح ہیں۔ تو اس کا جواب بھی مولانا عبد الماجد دریاآبادی رحمہ اللہ نے دیا ہے کہ بائبل میں یہ آیا ہے کہ گناہگار بھی نبی بن سکتا ہے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

كُلٌّ مِنَ الصَّالِحِيْنَ "یہ گناہگار نہیں تھے بلکہ تمام انبیاء نیک وپارسا تھے"۔

تو یہ دو مثالیں تھی جو میں نے آپ لوگوں کے سامنے بیان کی ہیں۔ اور اس کا مقصد تفسیر ماجدی کی فوقیت ثابت کرنا تھا۔ الغرض جدید ذہن رکھنے والوں کے لیے تفسیر ماجدی کا مطالعہ درس میں رکھنا ضروری ہے۔

فہم قرآن میں عربی تفاسیر کا کردار:

اسی طرح اگر کوئی عربی تفاسیر کو دیکھنا چاہتا ہو تو یہ تو سونے پہ سہاگہ ہے۔ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی رحمہ اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ چونکہ حافظے کمزور ہیں اس لیے اگر پانچ تفاسیر کا مطالعہ کیا جائے تو باقی تفاسیر سے یہ مدرس کو مستغنی کردیتا ہے۔ایک تفسیر ابن کثیر ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روایات سے قرآن کریم کی تفسیر کی گئی ہے۔دوسری امام رازی کی تفسیر ہے جس کا نام تفسیر کبیر ہے اور یہ ایسی تفسیر ہے کہ جو درایت میں باقی تفاسیر پر فوقیت رکھتی ہے۔ ربط بیان کرنے اور اسرار و رموز بیان کرنے میں بھی یہ اپنی مثال آپ ہے۔ تیسری تفسیر ابو سعود ہے۔جو کہ قرآن کے نظم اور آیات کا آپس میں ربط اور قرآن کریم کی بلاغت بیان کرنے میں لاجواب ہے۔چوتھی تفسیر علامہ قرطبیؒ کی "احکام القرآن" ہے جس کا اصل موضوع تو قرآن سے احکامات ثابت کرنا ہے لیکن باقی تفسیر بھی کمال کی ہے اور استفادہ کرنے میں بھی انتہائی آسان ہے۔پانچویں تفسیر علامہ آلوسی رحمہ اللہ کی ہے جس میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ پہلی تمام تفاسیر سے انسان کو مستغنی کردیا جائے اور اس کوشش میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہے کہ میں نے علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ کے کتاب "یتیمۃ البیان" میں یہ دیکھا کہ انہوں نے علامہ کشمیری رحمہ اللہ سے یہ نقل کیا ہے کہ تفسیر قرطبیؒ کے علاوہ علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے بھی دیگر چار تفاسیر کو پسند فرمایا تھا۔تو یہ ایسی پانچ تفاسیر ہیں کہ اگر اِن کا مطالعہ کیا جائے تو مدرسِ قرآن کو دیگر تفاسیر سے مستغنی کردیتی ہیں۔

شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ تفسیر مدارک جس کو تفسیر نسفی بھی کہتے ہیں کا مطالعہ درس قرآن کے لیے ضروری ہے، کیونکہ اس کا ترجمہ معیاری اور قرآن کی عبارت کو انتہائی سلیس انداز میں حل کیا ہے۔

فہم قرآن میں جدید عربی تفاسیر:

جدید عربی تفاسیر میں دو تفسیریں مجھے بہت پسند آئی ہے۔ایک ہے "ایسر التفاسیر" جو کہ اسم با مسمّٰی ہے۔یعنی جس طرح نام ہے اسی طرح یہ تفسیر بھی آسان ہے۔ یہ شیخ ابوبکر جزائری رحمہ اللہ کی تفسیر ہے جو کہ مسجد نبوی میں امام تھے۔ دوسری تفسیر علامہ وھبۃ الذہیلی رحمہ اللہ کی ہے جس کا نام" تفسیر المنیر" ہے۔ایسر التفاسیر سے خاص طور پر یہ فائدہ ہوتا ہے کہ یہ تفسیر انسان کو عربی میں مہارت دیتی ہے۔اسی طرح تفسیر المنیر میں اسلاف کے تفاسیر کا نچوڑ ہے۔یہ دونوں تفاسیر اصل میں تین چیزیں بیان کرتی ہیں۔

(۱)... لغوی معنی کا بیان (۲)... تفسیر بیان کا بیان

(۳)...اور پھر اسی سے متعلق بصائر وعبر کا بیان

بصائر وعبر کو علامہ وھبۃ الذہیلی رحمہ اللہ "فقہ الآیات" کے عنوان سے بیان کرتے ہیں اور شیخ الجزائری صاحب "الھدایۃ" کے نام سے مواعظ وعبر نقل کرتے ہیں۔ وھبۃ الذہیلی رحمہ اللہ صاحب نے تفسیر منار سے بھی استفادہ کیا ہے۔اگرچہ ان کے بعض تفردات بھی ہے، لیکن مدرس قرآن اس سے بہت استفادہ کرسکتا ہے۔امام وھبۃ الذہیلی رحمہ اللہ صاحب کے بارے میں آتا ہے کہ وہ حنفی ہیں لیکن اگر حنفی نہ بھی ہوں تو بھی وہ متعصب نہیں ہیں۔

اسی طرح تفاسیر کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ضروری ہے کہ تواریخ کا مطالعہ بھی ہو تاکہ بعض تاریخی باتیں اور تاریخی مقامات کو آسانی سے سمجھایا جاسکے۔ اسی طرح سائنسی تحقیقات، میڈیکل کی معلومات اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ عنہ اجمعین کو بھی سامنے رکھے اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کا مطالعہ بھی کرنا ضروری ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تفاسیر میں بعض جگہ کا حل مکمل طور پر نہیں ہوتا تو اس کو ثابت کرنے کے لیے تاریخ اور سیرت کے باب کو چھیڑنا پڑتا ہو۔ جیسے آپ نے آیت پڑھی:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ

"دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے"۔

تو اگر اس کو تفسیر سے ثابت کریں گے تو بھی اچھا ہے لیکن اگر اس کو تاریخ سے ثابت کیا جائے تو سونے پہ سہاگہ ہوگا۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

اسی طرح جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے تو اس کا آسان جواب تو یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کس تلوار نے اسلام لانے پر مجبور کیا تھا ؟اسی طرح جن تاتاریوں نے مسلمانوں کے تخت وتاراج کو سبوتاژ کیا تھا وہی کیسے اسلام پر مرمٹنے لگے ؟ کیا وہ تلوار کے زور سے مسلمان ہوئے تو یہ بات بالکل غلط ہے، بلکہ چند مستشرقین نے بھی یہ لکھا ہے کہ جن لوگوں کو تلوار نہ جھکا سکی،اس کو اسلام نے جھکنے پر مجبور کیا۔ آج کل جو یہ لوگ کثیر تعداد میں مسلمان ہورہے ہیں ان کو کس تلوار نے اسلام لانے پر مجبور کیا ہے؟تو تاریخ سے حوالے دینے سے لوگوں کو قرآن کے حقائق سے باخبر کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح مدرس قرآن کا عالمی اور ملکی حالات حاضرہ پر بھی نظر رکھنا چاہئے اور عوام کی موجودہ بولی اور انداز گفتار سے بھی باخبر ہو، تاکہ ان کی زبان اور ان کی بولی میں قرآن بیان کیا جاسکے کیونکہ حالات حاضرہ، دنیا، معاشرہ، سوسائٹی سے بے خبر آدمی اپنی دعوت و اصلاح میں مکمل طور پر کامیابی حاصل نہیں کرسکتا جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے شرح عقود رسم المفتی میں لکھا ہے:

اَلجَاهِل مَنْ جَهِلَ بِاَهْلِ زَمَانِهٖ

”جو اپنے زمانے سے بے خبر ہو وہ جاہل ہے۔“

قرآن کریم اور جدید تحقیقات

جدید تحقیقات کو قرآن کی تفسیر میں کس حد تک بیان کرنا چاہیے؟اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں کے دو قسمیں ہیں۔ایک وہ لوگ ہیں کہ جو قرآن کریم کے نصوص کو اس وقت تک تسلیم نہیں کرتے، جب تک وہ سائنسی تحقیقات کے موافق نہ ہو یہ ذہن رکھناانتہائی بے وقوفی ہے۔بلکہ یہ قرآن کریم کی توہین ہے۔اسی طرح بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو تحقیق کرنا گوارا نہیں کرتے بلکہ جو بھی جدید تحقیق آتی ہے تو اس کے بارے میں برملا کہہ دیتے ہیں کہ اس کی خبر اللہ تعالی نے کئی سال پہلے دی ہے، بلکہ تحقیق کرنی چاہیے کہ کیا یہ جدید تحقیق محققین کے اتفاق سے منظر عام پر آئی ہے یا ان کا اس میں اختلاف ہے۔ یہ دونوں صورتیں غلط ہیں۔اس لیے کہ لوگ سمجھیں گے کہ یہ قرآن تو سائنسی کتاب ہے۔

اسی طرح سائنسی نظریات تو بدلتے رہتے ہیں، کیونکہ آج سائنسدان ایک نظریہ پیش کرتا ہے اور اگلے سال اس نظریہ کو وہی سائنسدان رد کردیتا ہے اور دوسرا تحقیق پیش کرتا ہے۔تو اگر قرآن کو اس طور پر سائنس کے ساتھ اگر جوڑا جائے تو پھر قرآن میں بھی لوگوں کو شک ہونے لگے گا۔

تو یہ طریقہ بالکل صحیح نہیں ہے. لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن کریم میں تقریباً ساڑھے سات سو آیات ایسی ہے کہ جن میں مظاہرِ فطرت کا ذکر ہے جیسے ہواؤں کا چلنا، سورج کا چمکنااور بجلیوں کا کڑکنا وغیرہ۔تو اگر درج بالا اصولوں کو نظر میں رکھ کر قرآن کریم کی آیت کی تطبیق سائنس کے ساتھ کردیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

خلاصہ یہ کہ ہمیں اول کسی جدید نظریہ میں تحقیق کرلینی چاہیے اور پھر اسے بیان کردیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فہم قرآن اور سائنسی تحقیقات

اسی طرح قرآن کریم کے تفسیر میں اگر سائنسی حوالہ جات دیئے جائیں تو اس سے بھی تعلیم یافتہ طبقہ پر اثر پڑے گا۔اور لوگوں کے ذہنوں سے قرآن کے دقیانوسیت کا نظریہ ختم ہوتا چلا جائے گا۔مثال کے طور پر سائنسدان کہتے ہیں کہ یہ فضاء پہلے کاربن ڈائی آکسائیڈ پر مشتمل تھی اور پھر آسمان وزمین وغیرہ وجود میں آئے۔قرآن کریم میں آتا ہے:

ثُمَّ اسْتَوٰىٓ اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِىَ دُخَانٌ

"یہ دھواں ہی دھواں تھا"۔

تو بات صحیح ہیں کہ دھواں ہی کاربن ڈائی اکسائیڈ تھا۔اسی طرح سائنسدان کہتے ہیں کہ اجرامِ فلکی آپس میں ملے ہوئے تھے اور پھر ایک دھماکہ ہوا اور اس کے نتیجے میں مختلف اجسام وجود میں آئے۔قرآن کریم میں آتا ہے:

اَوَلَمْ يَرَوا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا۔

"یہ زمین وآسمان بند تھے اور ہم نے اس کو آزاد اور کھول دیا"۔

اسی طرح ایک نظریہ یہ بھی تھا کہ چند چیزوں کے ماسواء کسی بھی چیز میں جوڑا جوڑا نہیں ہے۔

لیکن اب یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ ہر چیز میں جوڑے موجود ہیں اور قرآن کریم نے یہ نظریہ چودہ سو سال پہلے پیش کیا تھا:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ

"یعنی ہم نے ہر شے میں دو جوڑے بنائے ہیں"۔

فہم قرآن اور جدید تحقیقات:

اسی طرح جدید تحقیقات کو بھی سامنے رکھنا چاہیے۔

فرانس کی پارلیمنٹ کا ایک رکن مسلمان ہوا جس کا نام ڈاکٹر غریمیہ تھا۔ایک مصری نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ میں قرآن کریم کے ایک آیت کی وجہ سے مسلمان ہوا۔

وہ آیت یہ ہے:

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ۔

"یا اس کی مثال اس تاریکی کی ہے جو کہ دریا کے گہرائیوں میں ہوتی ہے جس کو ایک موج کے اوپر دوسری موج نے پکڑ لیا ہو اور اس کے اوپر بادل ہو۔ تو جب یہ ساری تاریکیاں جمع ہو جائیں تو اس حالت میں کوئی اپنے ہی ہاتھ کو نہیں دیکھ سکتا۔"

اس نے کہا کہ میری ساری زندگی سمندر میں گزری ہے۔ میں نے کہا کہ یہ بات وہ ہی کر سکتا ہے کہ جو میری طرح بحری زندگی کے ساتھ تعلق رکھتا ہو۔ تو میں نے مسلمانوں سے کہا کہ تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بحری سفر کئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے تو شاید سمندر کو دیکھا بھی نہ ہو۔ تو میں مسلمان ہوا اور اپنے آپ سے کہا کہ واقعی یہ وحی ہی ہو سکتی ہے۔ بہر حال اس قسم کی تحقیقات ان لوگوں کو فائدہ دیں گے جو کہ تھوڑے سیکولر ذہن والے ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم میں ہے:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً۔

"آج ہم تمہارے جسم کو ایک اونچے مقام پر پھینکتے ہیں تاکہ تم بعد والوں کے لیے ایک نشانہ عبرت بن جاؤ"۔

قدیم مفسرین حیران تھے کہ فرعون کا جسم تو موجود نہیں ہے تو اس آیت کا کیا مطلب ہی ہے؟ بعض نے کہا کہ اصل میں اس کی لاش کو ایک ہفتہ کے لیے باہر پھینکا گیا تھا۔ بعض مفسرین نے اس میں تاویلات کی ہیں، لیکن بعد میں جب احرام مصر میں کھدائی کے دوران فرعون کی لاش دریافت ہو گئی اور قرآن کریم کی پیشن گوئی سچی ثابت ہوئی اگرچہ اس آیت میں ایک اور توجیہ بھی ہے۔ تو اس طرح کی تحقیقات ذہن میں رہنی چاہئیں۔

فہم قرآن اور میڈیکل تحقیقات:

اسی طرح میڈیکل کے تحقیقات سے احادیث کی تائید ہوتی ہے۔ جیسے کہ آج کل لوگ ہاتھ دھونے کا دن مناتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہاتھ صابن سے دھونے میں بہت فوائد ہیں اور اس سے انسان جراثیم سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ہاتھ دھونے کی بات اب لوگ کر رہے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے ہاتھ دھونے کی تاکید فرمائی تھی۔

اسی طرح قرآن کریم میں ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ

"تم پر مردار، بہتے خون اور خنزیر کے گوشت کا کھانا حرام کر دیا گیا ہے"۔

آج کل کے میڈیکل تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو گیا ہے کہ یہ تینوں چیزیں انسان کے لیے انتہائی مضر ہیں۔ بعض محققین کہتے ہیں کہ خنزیر کا گوشت کھانے سے انتڑیوں میں کیڑے پڑ جاتے ہیں اور اس سے انسان کینسر کے لاعلاج بیماری میں مبتلاء ہو جاتا ہے۔

درس کے آداب

پہلا ادب......اخلاص:

درس سے پہلے یہ بات ذہن میں ہونا چاہیے کہ درس میں:

[۱] سب سے اول اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہے۔

یہ نیت نہیں ہونی چاہیے کہ لوگ میری تعریف کریں کہ یہ کتنی محنت سے کام کر رہا ہے قرآن کا ماہر ہے وغیرہ اور اگر لوگ خود تعریف کریں تو اللہ تعالی کی طرف سے نقد انعام ہے۔اس لیے اس طرح کے تعریف میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بعض دفعہ لوگ ہماری تعریف کرتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقد انعام ہے۔تو درس میں اگر ریاء ونمود نہیں ہوگی، تو اس درس سے اللہ تعالیٰ عالم میں خیر پہنچائے گا۔

[۲] لوگوں کی خیر خواہی کا جذبہ دل میں ہونا چاہیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں:

وَنَصَحْتُ لَكُمْ "میں تمہارا خیر خواہ ہوں"۔

[۳] روپے اور پیسوں پر بھی نظر نہ ہو کیونکہ یہ دعوت کے لیے اہم شرط ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں انبیاء کے زبان سے اپنے امت سے کہتے تھے۔

وَمَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللهِ

"میں دعوت کے کام پر تم سے کوئی مزدوری نہیں لیتا بلکہ میرا بدلہ تو اللہ تعالیٰ پر ہے"

دوسرا ادب......اپنا محاسبہ:

دوسرا ادب یہ ہے کہ خلوت میں اپنا محاسبہ کیا جائے اور اس کے لیے اپنے درس کو بعد میں سنا جائے،تاکہ مشق ہو اور لوگوں کا رعب دل سے نکل جائے اور اگر کوئی غلطی ہو تو اس کا ازالہ کیا جائے۔انداز وگفتار میں غلطی ہو، غیر سنجیدگی ہو تو اسے دور کیا جائے۔

اس سے ذاتی طور پر یہ فائدہ ہوگا کہ اس سے زبان کی جھجک دور ہو جائے گی اور بار بار

اللہ تعالیٰ کے کلام کا تذکرہ ہوتا ہے تو اس سے ثواب بھی ملے گا اور مشکل الفاظ زبان پر آسانی سے جاری ہوتے جائیں گے۔

تیسرا ادب......دعا مانگنا:

تیسرا ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا بھی مانگی جائے۔ کیونکہ مواد کی کثرت بولنے کے لیے کافی نہیں ہوتی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے نصرت کا ہونا ضروری ہے۔ دعا کا اثر یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا دل کھول دیگا اور چھوٹے سے موضوع پر بہت زیادہ بات ہو جائے گی، لیکن جب اللہ تعالیٰ کی نصرت نہیں ہوتی تو انسان کا ذہن دھندلا پڑ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰؑ کو فرعون کے دربار میں دعوت دینے کے لیے بھیجا تو انہوں نے یہ دعا کی۔

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي

"اے میرے رب! میرے سینے کو کھول دیں اور میرا معاملہ آسان فرما اور میری زبان کی لکنت دور فرما تا کہ یہ لوگ میری بات سمجھ سکیں"۔

تو آپ بھی یہ دعاء پڑھ سکتے ہیں۔ ایک دعاء یہ پڑھنی چاہیے۔

رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔ "اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما"۔

دوسری یہ دعاء مانگنی چاہیے۔

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ۔

"اے اللہ تیری پاک ہے، ہمارے پاس کچھ علم نہیں مگر وہ جو تو نے عطا کیا ہے، یقیناً تو ہی جاننے والا اور حکمت والا ہے"۔

دوسری یہ دعا مانگنی چاہیے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور دعا:

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہے کہ ایک دفعہ مجھے ہندوستان سے پشاور بیان کے لیے لوگوں نے بلایا۔ انہوں نے بڑے اخراجات برداشت کئے تھے لیکن جب میں بیان کے لیے بیٹھا تو بات بالکل نہیں بن رہی تھی۔ بیان ختم ہوا لیکن میں اپنے آپ کو

کو ستارہا کہ کتنی مشقت اٹھائی اور بیان میں جان ہی نہیں تھی۔ پھر فرماتے ہیں کہ میں نے تہجد کے وقت اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہاتھ اٹھائے اور رویا اور کہاکہ دل بھی تیرا، زبان بھی تیری، بولنا بھی تیرے اختیار میں اور علوم و عرفان بھی تیرے ہاتھ میں ہے تو میرا دل اپنے علوم کے لیے کھول دیں۔ادھر دعا مانگی اور کل پھر جب بیان کے لیے بیٹھ گیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بیان کا بہت اچھا اثر لوگوں پر ہوا۔تو یہ دعا کا اثر ہوتا ہے کہ انسان کے چند الفاظ میں بھی اللہ تعالیٰ تاثیر ڈال دیتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہے کہ جس کے لیے دعا کا دروازہ کھل گیا اس کے لیے خیر کا دروازہ کھل گیا۔اسی طرح ہم نے اپنے بعض اساتذہ اور مشائخ سے سنا کہ درس اور بیان سے پہلے میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ وہ باتیں زبان سے نکالیں جو اس موقع کے مناسب ہو اور لوگوں کی ضرورت ہو۔ شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جو آدمی درس قرآن کے ساتھ ذکر اذکار، نوافل و تہجد اور دعا کا اہتمام نہیں کر سکتا اسے درس نہیں دینا چاہئے کیونکہ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کا تعاون شامل حال نہیں ہو سکتا۔

چوتھا ادب......ظاہر و باطن کی صفائی:

چوتھا ادب یہ ہے کہ ظاہر و باطن کی صفائی ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ سَرِیْرَتِیْ خَیْرًا مِنْ عَلَانِیَّتِیْ

"اے اللہ میرے باطن کو میرے ظاہر سے زیادہ بہتر بنا"۔

تو اصل میں تو مقصود باطن کی صفائی ہے لیکن ظاہر کی صفائی بھی ضروری ہے۔بیان کے لئے جاتے ہوئے ظاہری صورت اور لباس صاف ستھرا ہونا چاہیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے تو خوشبو بھی لگاتے تھے اور بال کنگی بھی کرتے تھے اور سرمہ وغیرہ کا استعمال بھی کرتے تھے اور آئینے میں اپنی شکل بھی دیکھتے تھے تاکہ بال پراگندہ تو نہیں؟ کیونکہ اس برے حال اور پراگندہ صورت کا سننے والے پر بہت برا اثر ہوتا ہے اور عالم اور علم کی وقعت لوگوں کے دل سے ختم ہو جاتی ہے۔اسی طرح لباس بھی اچھا ہونا

چاہیے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح صاف لباس استعمال کرتے تھے۔ مدرسِ قرآن کو درس کے دوران ہر قسم کے بری صفت، غیر سنجیدگی اور غیر مہذب حرکت سے پرہیز کرنا چاہیے۔

پانچواں ادب......آسان زبان میں سمجھانا:

پانچواں ادب یہ ہے کہ آسان زبان میں مخاطبین کو سمجھایا جائے بلکہ ان کی اپنی زبان میں ان کو سمجھانا چاہیے۔اگر مجمع والے انگریزی زبان کے استعمال کو پسند کرتے ہیں تو ان کے سامنے انگریزی میں تقریر کرنی چاہیے۔اسی طرح اگر کوئی اردو میں انگریزی کی پیوند کاری کو پسند کرتا ہے تو ان کے سامنے اسی انداز میں بیان کرنا چاہیے، کیونکہ کوئی بھی زبان فی نفسہٖ بُری نہیں ہے۔دنیا کی کسی بھی زبان میں اگر آپ کو بیان کرنے کی دعوت دی جائے تو اسی زبان میں بیان کرنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ

"میں نے ہر رسول کو اس قوم کی زبان میں بھیجا ہے"۔

چھٹا ادب......اپنے موضوع سے نہ ہٹنا:

چھٹا ادب یہ ہے کہ اگر درس کسی خاص موضوع پر ہو تو جس موضوع پر بات کرنی ہے اس موضوع سے نہ ہٹے۔کیونکہ اس سے بھی لوگ اکتا جاتے ہیں اور جو سمجھنے والے لوگ ہوں گے،ان کے دل میں علماء کی قدر و منزلت کم پڑ جائے گی۔

ساتواں ادب......مستند بات کہنا:

ساتواں ادب یہ ہے کہ جو بات کہی جائے وہ مستند بات ہو،ایسا نہ ہو کہ آپ کہیں کہ بزرگوں نے یہ فرمایا ہے اور یا یہ کہے کہ میرے استاد فرمایا کرتے تھے۔کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی آپ سے یہ پوچھے کہ آپ نے جو بات کہی وہ کس کتاب کا مسئلہ ہے وغیرہ۔

آٹھواں ادب...... تصنع سے پاک بیان:

آٹھواں ادب یہ ہے کہ درس میں تصنع اور تکلف نہ ہو۔ اگر بیان میں تکلف و تصنع نہ ہو اور عام فہم سادہ اور سنجیدہ انداز ہو تو اس کا فائدہ زیادہ ہوتا ہے اور سنت کے قریب بھی یہی طریقہ ہے اور اگر بیان میں تصنع اور تکلف ہو تو انسان فنکار جیسا معلوم ہوتا ہے۔

نواں ادب...... نفسیات کا لحاظ رکھنا:

نواں ادب یہ ہے کہ مخاطبین کی نفسیات کا لحاظ رکھا جائے۔ اگر لوگوں کی طرف دیکھو اور وہ لوگ اکتا گئے ہوں تو اپنا بیان سمیٹنا چاہیے۔ ایسا نہیں کہ لوگ اس بات پر مجبور ہو جائیں کہ کوئی اٹھے اور کوئی سو جائے۔ بعض لوگ بیان کرنے اور درس دینے کے بہت شوقین ہوتے ہیں تو گھنٹوں لگے رہتے ہیں جس کا مخاطبین پر برا اثر پڑتا ہے اور اس رویے کی وجہ سے پھر درس و بیان کے قریب بھی نہیں آتے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جمعرات کے دن وعظ و نصیحت کرتے تھے، لوگوں نے کہا کہ اگر ہر روز یہ درس ہو تو اچھا ہوگا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں آپ لوگ اکتا جائیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی انداز ہوتا تھا۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ جنگ حنین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت کا اکثر حصہ مکے والوں یعنی نو مسلموں کو دیا۔ انصار کے نوجوان اس سے ناراض ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر کہا کہ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ مکہ والے مالِ غنیمت لیکر مکہ چلے جائے اور آپ لوگ اللہ تعالیٰ کے نبی کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ جب انصار نے یہ بات سنی تو رو پڑے اور کہا کہ ہم اس تقسیم سے راضی ہیں۔ اس واقعے میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی نفسیات کو ملحوظ رکھا اور اسی کے تحت اپنے بیان کو مرکوز کیا۔

دسواں ادب......زمانہ حال سے مناسبت:

دسواں ادب یہ ہے کہ جن آیات کا آپ درس دے رہے ہیں، اس کا اس زمانے سے تعلق ہو۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ بعض آیات کو جب دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ کہیں یہ آیت ابھی ہی نازل ہوئی ہے۔ جیسے قرآن کریم میں آتا ہے:

اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔

"اللہ تعالیٰ نے خرید وفروخت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے"۔

تو اس میں ربٰو کی حرمت بیان ہو رہی ہے، تو اگر سود کے بیان میں آپ وہ پرانی باتیں کہیں گے تو وہ لوگوں کے پلے نہیں پڑیں گی بلکہ اس دور میں جو سود کی صورتیں ہیں وہ لوگوں کے سامنے بیان کریں تو اس سے لوگوں کو زیادہ فائدہ ہوگا اسی طرح درس قرآن معاشرے کے ساتھ لگانا چاہیئے تاکہ درس جاندار اور قرآن زندہ نظر آنے لگے۔

گیارہواں ادب......فرقہ واریت سے بچنا:

گیارہواں ادب یہ ہے کہ فرقہ واریت سے بچا جائے۔ اگر کسی کو نشانہ بنا کر اس کے پیچھے لگ جائیں گے تو لوگ سمجھیں گے کہ یہ تو اپنا بھڑاس نکال رہا ہے اور اس میں اخلاص نہیں ہے۔ اس انداز سے مخالف تمہارے نزدیک نہیں آئے گا بلکہ اس کی نفرت آپ سے اور بھی بڑھ جائی گی اور وہ تمہاری مخالفت اور بھی زیادہ کرنے لگے گا۔

لہٰذا درس تنقیدی انداز کے بجائے تعمیری انداز میں ہونا چاہیئے تاکہ فائدہ عام ہو اور سنجیدہ لوگ متاثر ہوں اور اگر باطل پر رد کرنا مقصود ہو تو کسی شخص کا نام لے کر اسے ٹارگٹ نہیں بنانا چاہیئے۔

بارہواں ادب...... سنجیدہ اور باوقار ہونا:

بارہواں ادب یہ ہے کہ درس میں سنجیدہ اور باوقار انداز اپنانا چاہیے۔ اگر آپ اسی روایتی انداز میں بولیں گے تو اس سے درس کی سنجیدگی پر برا اثر ہوگا درس دینے کے اصولوں اور طریقوں کو اپنانا چاہیئے۔ درس کو مذاق اور ٹھٹھا نہیں بنانا چاہیئے۔

تیرھواں ادب......آخر میں خلاصہ بیان کرنا:

تیرھواں ادب یہ ہے کہ آخر میں درس کا خلاصہ بیان کیا جائے تاکہ مخاطبین کے ذہن میں کچھ بیٹھ جائے۔

چودھواں ادب......درس کو ٹیپ کرنا:

چودھواں ادب یہ ہے کہ اپنے درس کو ٹیپ کیا جائے اور اس کو پھر بار بار سن کر اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کو دور کی جائے۔اس طرح سے آپ کے درس میں نکھار پیدا ہوگا اور اپنی غلطیوں کے اصلاح کا موقع مل جاتا ہے۔

پندرھواں ادب......حکمت کو ملحوظ نظر رکھنا:

پندرھواں ادب یہ ہے کہ حکمت و مصلحت کو ملحوظ نظر رکھا جائے۔اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں:

اُدعُ اِلٰی سَبِیلِ رَبِّكَ بِالحِکمَةِ وَالمَوعِظَةِ الحَسَنَةِ۔

"لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں حکمت سے دعوت دو کیونکہ دعوت و بیان کے لیے حکمت اور بصیرت ایک اہم امر ہے"۔

جیسے ایک خاتون ایسی ہے کہ جس نے مکمل پردہ کیا ہے لیکن اس کے ہاتھ کھلے ہیں اور تم نے اس ہاتھ پر اپنی تمام بھڑاس نکالی تو یہ حکمت نہیں ہوگی بلکہ حکمت یہ ہے کہ اس کی تربیت کی جائے ،وہ خود ہی پردہ کرنے پر مجبور ہو جائے گی یا درس میں بیٹھنے والوں میں کوئی داڑھی منڈانے والا ہو اور تمہارا تمام درس اسی کے نذر ہو جائے، بلکہ اصلاحی اور تعمیری انداز میں آہستہ آہستہ ذھن سازی کرانی چاہیے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدنا معاذبن جبل رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو ان سے کہا:

یَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا بَشِّرُوا وَلاَ تُنَفِّرُوا۔

"آسانیاں پیدا کرنا، تنگیاں پیدا نہ کرنا۔لوگوں کو بشارتیں سنانا اور ان کو متنفر نہ کرنا"۔

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ عشاء کی نماز پڑھی اور اس میں سورۃ بقرہ تلاوت فرمائی۔ اس وجہ سے ایک آدمی نماز سے چلا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَتَّانٌ فَتَّانٌ فَتَّانٌ

"یہ بات لوگوں کو فتنے میں مبتلاء کرنے والی ہے"

اور یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمائی۔

سولہواں ادب...... عظمت قرآن کو اجاگر کرنا:

سولہواں ادب یہ ہے کہ درس کے دوران قرآن کی عظمت کو لوگوں کے دلوں میں بٹھائے اور ساتھ ساتھ قرآن اور درس کی اہمیت پر بھی بات کرنی چاہیئے تاکہ شرکاء میں شوق و ذوق پیدا ہو۔ اگر مجمع پڑھا لکھا ہو تو اس میں فصاحت و بلاغت کے مباحث چھیڑے جائے۔ میں اس بارے میں تین مثالیں پیش کرتا ہوں:

پہلی مثال:

سورۃ الاعراف ۱۶۱ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہے کہ:

وَاِذۡ قِيۡلَ لَهُمُ اسۡكُنُوۡا هٰذِهِ الۡقَرۡيَةَ

"اور جب اُن سے کہا گیا کہ اس گاؤں میں سکونت اختیار کرو"۔

سورہ بقرہ میں فرماتے ہیں:

وَاِذۡ قِيۡلَ لَهُمُ ادۡخُلُوۡا هٰذِهِ الۡقَرۡيَةَ

"اور جب اُن سے کہا گیا کہ اس گاؤں میں داخل ہو جاو"۔

تو اس میں فرق یہ ہے کہ سورہ بقرہ میں اول حالت کو ذکر کیا گیا ہے اور سورہ اعراف میں انتہائی حالت کو ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں پر دخول ہے اور کھانا دخول کے بعد ہوتا ہے تو فرمایا کہ: فَكُلُوۡا اور یہاں چونکہ پہلے سے سکونت پذیر ہے تو فرمایا کہ سکون کے ساتھ ہی کھاؤ وَكُلُوۡا۔

اسی طرح چونکہ دخول کے بعد انسان بھوکا ہوتا ہے اور کھانے کو رغبت ہوتی ہے تو

فرمایا کہ: فَكُلُوْا مِنْهَا رَغَدًا اور یہاں پر چونکہ وہ سکونت پذیر ہے اس لیے رغبت زیادہ نہیں اس لیے "رَغَدًا" نہیں کہا۔ اسی طرح سورہ بقرہ میں حطة موخر ہے اور سورہ اعراف میں مقدم ہے تو فرق یہ ہے کہ دعا سے پہلے بھی تواضع کا اظہار ہو اور دعا کے بعد بھی تواضع کا اظہار ہو۔ اسی طرح وہاں پر "خَطَايَاكُمْ" ہے اور یہاں "خَطِيْئَاتِكُمْ" ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ میرے قلیل و کثیر سارے گناہوں کو معاف کردیں۔

اسی طرح وہاں پر "وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ" اور یہاں بغیر واؤ کے ہیں تو اس میں فرق یہ ہے کہ یہاں پر واؤ کے ترک کرنے پر دو انعامات دے رہے ہیں۔ ایک مغفرت اور دوسرا زیادہ دینا۔ اسی طرح وہاں انزال ہے اور یہاں ارسال ہے تو فرق یہ ہے کہ انزال میں کثرت نہیں ہوتی اور ارسال میں ہوتی ہے تو مطلب یہ کہ پہلے عذاب کم تھا اور پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کو زیادہ کردیا۔ اسی طرح وہاں پر "بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ" ہے اور یہاں پر "يَظْلِمُوْنَ" ہے تو دونوں کو ملانے سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ان میں فسق بھی تھا اور ظلم بھی تھا۔

دوسری مثال:

اللہ تعالیٰ سورہ اعراف میں فرماتے ہے:

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ

"کیا یہ لوگ زمین اور آسمانوں پر اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کا مشاہدہ نہیں کرتے اور وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں ہیں"۔

میڈیکل رپورٹ سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم میں فرسٹ ایڈ کا انتظام رکھا ہے اور وہ یہ کہ جب انسان زخمی ہوجاتا ہے تو خون خود ہی جم جاتا ہے اور خون بہنا بند ہوجاتا ہے جس سے انسان کی زندگی بچ جاتی ہے۔

اب مچھر کو دیکھ لیجیے، جو کہ مخلوقات میں سب سے چھوٹا ہے لیکن جب یہ انسان کو چوستا ہے تو محققین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مچھر کے جسم میں ایک کیمیائی مادہ رکھا ہے جو کہ ایک سیال مادہ ہے تو جب بھی یہ ڈنگ مارتا ہے تو پہلے وہ سیال مادہ پھینکتا ہے اور پھر خون چوستا ہے۔

تیسری مثال:

مکھی کے بارے میں قرآن کریم میں آتا ہے:

لَن يَّخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَاِن يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ

"اگر یہ مکھی کسی چیز کو چھین کر لے جائے تو وہ لوگ اس سے نہیں لے سکتے"۔

اب میڈیکل تحقیق میں یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکھی میں بھی ایک سیال مادہ رکھا ہے تو جب یہ کوئی چیز چھین لیتی ہے تو اس پر وہ سیال مادہ چھینکتی ہے اور وہ پیٹ میں داخل ہونے سے پہلے وہ ہضم ہو جاتا ہے تو اب اگر کسی میں پکڑنے کی طاقت ہو بھی تو بھی یہ چیز اس سے واپس نہیں لے سکتا۔ تو جب زندہ اس سے اس کو نہیں چھین سکتا تو مردہ کیوں کر چھین سکے گا۔

درس قرآن کی قسمیں

روزانہ درس:

روزانہ درس ہو تو بہت اچھا ہوگا اور زیادہ فائدہ اس وقت ہوگا جب آپ پہلے سے لوگوں کے ذہنوں میں بٹھالیں کہ چھ مہینوں یا ایک سال دو سال میں درس قرآن ختم ہوگا اور وہ روزانہ درس کے لیے تیار ہوں جیسے صوبہ خیبر پختونخواہ میں اس حوالے سے لوگوں کی ذہن سازی ہو گئی ہے اور روزانہ درس کا معمول یہاں پر عام ہے الحمد للہ۔ تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ لوگوں کے ذہن میں ہوگا کہ بس چھ ہی مہینے تو ہیں۔ اس میں قرآن کریم سیکھ لوں گا، لیکن اگر پانچ چھ سال میں درس ختم ہوتا ہو تو وہ بھی صحیح ہے۔

اگر روزانہ کا درس ایسا ہو کہ چار دن درس قرآن کی کلاس ہو اور ایک دن حدیث کا درس ہو اور ایک دن فقہ کا درس ہو تو بہت بہتر ہوگا اس سے قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث اور فقہ سے بھی تعلق بنتا رہے گا۔ قرآن کے ذریعے اسلام کے اصول اور عقائد سے انسان واقف ہو گا اور حدیث کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور اعمال سے باخبر ہوگا اور فقہ کے ذریعے مسائل سیکھ کر عمل میں درستگی پیدا ہو گی۔ اگر حدیث کا درس دینا ہو تو ریاض الصالحین اور معارف الحدیث زبردست کتابیں ہیں جو کہ پڑھائی جا سکتی ہے۔ اگر فقہ کا درس دینا ہو تو تسہیل بہشتی زیور یا تفہیم الفقہ کو بھی بنیاد بنا سکتے ہیں جو کہ عوام کے لیے بے حد مفید ہے۔ اسی طرح اگر ہفتہ واری درس ہو تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں:

(۱) ایک یہ کہ سلسلہ وار درس ہو۔ ابتداء سے لیکر آخر تک۔

(۲) دوسرا یہ کہ کسی خاص موضوع پر درس ہو۔ اگر موضوعاتی درس ہے تو پہلے اس مسئلہ کے بارے میں قرآنی آیات تلاش کریں۔ اس کے لیے آپ کئی کتابوں سے استفادہ بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ جیسے مضامین قرآن کے نام سے کئی سارے چھپے ہیں۔

ایک "مقاصد قرآن" جس کے مصنف "سید امتیاز علی" ہیں نے اس کتاب پر بہت محنت کی ہے اور عقائد سے لے کر معاملات اور اخلاق تک کے عنوانات پر آیتیں جمع کی ہے۔

احادیث اور اقوال سلف سے بھی اس متعلقہ موضوع پر احادیث اور اقوال جمع کیے جا سکتے ہیں۔ اس مسئلہ میں چند سوالات اٹھائے جائیں۔اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ ذہنوں کی سطحیت کو بھی دیکھنا ہوگا کہ آپ کے سامنے کون بیٹھا ہے ،عام لوگ ہیں کہ تعلیم یافتہ ہیں۔ طلبہ ہیں یا علماء۔ایسا نہ ہو کہ ہم سلجھاؤ کے بجائے الجھاؤ پیدا کریں۔ جیسے تعدد ازواج کا موضوع ،اسی طرح تقدیر کا موضوع وغیرہ۔اسی طرح جیسے سورہ الناس کا ترجمہ و تفسیر کرنا ہو اور اس میں وساوس کا موضوع زیر بحث لایا جائے اور اس کو تھوڑا سا پھیلاؤ تو اور بھی اچھا ہوگا۔ جیسے وسوسہ کے اقسام، وسوسہ اختیاری و غیر اختیاری۔ وسوسے کیسے پیدا ہوتے ہیں اور اس کا علاج کیا ہے؟ میڈیا کا وساوس پیدا کرنے میں کیا کردار ہے؟ یہ باتیں درس میں کی جائیں تو اس سے بہت فائدہ ہوگا۔

ہفتہ واری درس میں اصلاحی پہلو پر تمام تر توجہ مرکوز کرنی چاہیے، تاکہ لوگوں کو اس سے فائدہ ہو۔ایسا نہ ہو کہ عالمانہ لہجے میں بات کریں اور علمی تحقیقات زیر بحث لائیں۔

تدریس قرآن کا انداز:

تدریس قرآن کے لیے کیا انداز اختیار کرنا چاہیے ؟اس کے لئے سب سے زیادہ زور نفسِ قرآن پر دینا چاہیے۔ یعنی قرآن کریم کو حل کرنے پر اور لفظی ترجمہ پر توجہ دینا چاہئے یہ لفظی ترجمہ خوب یاد ہو جائے۔ ہر سورت کا خلاصہ ، دعویٰ اور مضامین کی تقسیم سمجھانا کیونکہ اس سے سورۃ کا اصل مقصد واضح اور تفسیر آسان بن جاتا ہے۔ قرآن کریم کے مفردات کا مطلب بھی ان کے سامنے واضح کرنا چاہیے۔اگر چند سورتیں اسی انداز میں بیان ہو جائیں تو پورا قرآن اللہ تعالیٰ انسان پر کھول دیگا۔ جیسے کسی طالب علم سے کہیں کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" میں حمد کا مادہ کتنی جگہوں میں قرآن کریم کے اندر آیا ہے۔اسی طرح حمد کا معنیٰ "اَلثَّنَاءُ بِالْفَضِیْلَۃِ" خواہ اختیار میں ہو یا اختیار میں نہ ہو۔اسی طرح حمد،مدح اور شکر میں کیا فرق ہے؟اسی طریقے سے رب کا کیا معنیٰ ہے؟یعنی" اِنْشَاءُ شَیْئٍ حَالاً فَحَالاً اِلٰی حَدِّ الْکَمَالِ " یہ رب کا معنیٰ ہے۔اسی طرح "اَلعَالَمِیْنَ " پر تحقیق کیجیے۔ قرآن کریم میں ایک لفظ کے لیے کئی الفاظ استعمال ہوئے ہیں تو اس میں فرق بیان کرنا چاہیے۔

جیسے: جَبَلٌ ہر قسم کے پہاڑ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
رَوَاسِیَ مضبوط پہاڑ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
صَخْرَةٌ چھوٹے پہاڑ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
اَعْلَامٌ بھی مجازاً پہاڑ کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن یہ ہر اس چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جو دوسرے سے ممتاز ہو۔

چند مفردات اور اس میں فرق:

اسی طرح عربی میں "پہنچنے" کے لیے کئی الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

جیسے بَلَغَ: وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ۔ کسی چیز کی حد تک پہنچنا۔
اَصَابَ: وَلَمَّا اَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ۔ تنگی یا مصیبت پہنچنا
نَالَ: لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مَا تُحِبُّونَ۔ اس چیز تک پہنچنا جو کہ محبوب ہو۔
نَاوَشَ: وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ۔ ہاتھ بڑھا کر کسی چیز کو پہنچنا۔
تَعَاطٰى: فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ۔ یعنی ایسی چیز تک پہنچنا جو کہ اس کا حق نہ ہو۔
وَصَلَ: اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَن يَّصِلُوا اِلَيْكَ۔ کسی چیز کو حاصل کرنا
اَفْضٰى: وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ۔ میاں بیوی کا ایک دوسرے سے صحبت کرنا۔
وَرَدَ: وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ۔ پانی کے گھاٹ تک پہنچنا۔

اسی طرح طلبہ کو تفاسیر سے آشنا کرنے کے لیے ان سے چند تفاسیر کے مشق کرائے جائیں۔

اور اگر مدارس کے طلبہ ہوں اور کسی آیت کی تفسیر کرنی ہے تو طلبہ میں اس کی تقسیم کی جائے کہ فلاں طالب علم تفسیر قرطبیؒ کا مطالعہ کرے اور فلاں تفسیر روح المعانی سے لکھ کردیں اور اس کو یاد کریں تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ طلبہ کے دلوں سے تفاسیر کا رعب نکل جائے گا اور وہ چند دن میں ہر تفسیر کا مطالعہ کرنے لگیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان ساری باتوں پر عمل کی توفیق عطاء فرمائیں۔

درسِ قرآن کی تیاری کیسے کریں۔۔؟

قرآن مجید کے درس کے دو طریقے ہیں۔ایک طریقہ وہ ہے کہ جس میں صرف ونحو، فقہ، ناسخ ومنسوخ، کلام اور شان نزول وغیرہ کے پہلوؤں پر علمی گفتگو کی جائے۔دوسرا طریقہ وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے:

"بلّغوا عنّی ولو آیة"

"میری طرف سے لوگوں کو میرا پیغام پہنچاؤ خواہ وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو"۔

تو قرآن مجید کے پیغام کو عام لوگوں تک پہنچانا درس قرآن کا دوسرا طریقہ ہے۔اس قرآن کو کھول کھول کر بیان کرو، تاکہ لوگ سمجھ سکے اور اس کے اوپر عمل کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

"اور ہم نے قرآن کریم کو آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔۔؟"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بیان کیا ہے کہ ہم قرآن کریم کو سیکھنے والوں کے لیے آسان کر دیا ہے۔اس لحاظ سے یہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ قرآن کریم کا پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو آسان فرما دیا ہے۔

قرآن کریم اول تا آخر ایک دعوتِ عمل ہے اور اس کا ہر حصہ خواہ وہ قوموں کی تاریخ ہو، اچھی بری صفات کا بیان ہو یا جنت جہنم کا بیان ہو۔یہ سب سننے والے اور پڑھنے والے کے سامنے ایک سوالیہ نشان کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں تو اس وقت اگر کوئی تم سے سوال پوچھے تو تم جواب میں کیا کہوں گے؟ تو اگر کوئی انسان ان سوالات کے جوابات سے واقف ہو تو وہ خود بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور اگر کسی کو خود بھی ان سوالات کے جوابات معلوم نہیں اور دوسروں کو بھی نہیں سمجھا سکتا تو خود بھی وہ فائدہ نہیں اٹھا سکے گا اور نہ ہی دوسرے لوگ اس سے استفادہ کر سکیں گے۔

درس کی تیاری کے تین مراحل:

درس کی تیاری کے تین مرحلے ہیں۔ایک فہم ہے یعنی ہم کو خود یہ سمجھ ہو کہ قرآن کریم کیا کہہ رہا ہے۔دوسرا تفہیم ہے۔یعنی آپ کو یہ بھی فہم ہو کہ میں نے آج کیا سمجھانا اور کس طرح سمجھانا ہے؟اس سے لوگ بات کو سمجھ سکیں گے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کر سکیں گے۔تیسرا ان دونوں باتوں کو ایک خطاب کے قالب میں ڈالنا ہے۔تو جو کچھ آپ نے سمجھا ہے اور اب اس کو تقریر کی شکل میں لوگوں کے سامنے رکھنا ہوتا ہے۔یعنی دوسروں لوگوں کو سمجھانا ہے۔توان دونوں کی باہمی گٹھ جوڑ کو خطاب کہتے ہیں۔

ایک اہم گزارش:

سب سے پہلے یہ مسئلہ سمجھنا چاہیے کہ اگر عمومی تیاری نہیں ہورہی۔بلکہ مخصوص حصے کادرس دینا ہو۔تواس میں قرآن کریم کے اس حصے کو بیان کرناچاہیے کہ جس سے لوگوں کو فائدہ ہو۔اس کے لئے لوگوں کے مراتب ،اوربیان کی پرکھ اور وقت کی پابندی کاخیال رکھنا ضروری ہے۔یعنی جب آپ بیان کر رہے ہیں تو حاضرین اور ان کی ضروریات کو مدنظر رکھنا چاہیے تاکہ لوگوں کو فائدہ ہو۔اس کے ساتھ ساتھ وقت کی بھی پابندی کرنی چاہیے تاکہ کم وقت میں زیادہ فائدہ پہنچایا جاسکے۔

فہم کاجو مرحلہ ہےاس کے چند مراحل ہیں۔

پہلاکام... عبارت اور لفظی ترجمہ پر توجہ:

جب آپ نے ایک حصہ درس کے لیے مختص کیاتواس کو اچھی طرح پڑھیں تاکہ اس کے مضامین آپ کے ذہن نشین ہو جائیں۔اس کو ٹسٹ کرنے کے لیےآپ قرآن کو بند کریں اور اپنے آنکھیں بھی بند کریں اور اس مختص جگہ کے مضامین ذہن میں لائیں۔اگر وہ مضامین ذہن میں آجائیں تواس کا مطلب یہ ہے کہ آپ پہلے مرحلے میں کامیاب ہوگئے اور اگر وہ مضامین ذہن میں نہ آئیں تواس مختص جگہ کو دوبارہ پڑھیں۔اور ایسا بار بار کریں۔جب تمام مضامین یا دہو جائیں تو پھر دوسرے مرحلے کی طرف جائیں۔حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تعلیمات

بھی یہی تھی کہ پہلے اپنے شاگردوں کو قرآن کریم کے متن میں سوچنے پر مجبور کرتے تھے۔ جب متن پر عبور آجاتا تو پھر آگے چلتے تھے۔

دوسرا کام... متعلقہ درس تا سورت کا خلاصہ اور مضمون خاکہ میں غور:

اس کے بعد دوسرا قدم یہ ہے کہ ہر کلام کا ایک [structure] ہوتا ہے۔ یعنی اس میں کئی باتیں کہی گئی ہوتی ہیں۔ تو اب اس میں کیا کچھ کہا گیا ہے تو اس کی ایک فہرست ذہن میں لائیں۔ اب یہ سوچیں کہ اس فہرست میں ضرور ترتیب ہوگی اور اس کا آپس میں ربط و مناسبت ہے۔ اس لیے اس کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

مثال:

جیسے سورہ فاتحہ میں تین حصے ہیں۔

ایک میں اللہ تعالیٰ کے صفات کا بیان ہے۔

دوسرے میں اللہ تعالیٰ اور بندے کے تعلق کا بیان ہے۔

اور تیسرے میں دعا اور تین گروہوں کا بیان ہے۔

تیسرا کام... مشکل لغات کا حل:

اس کے بعد تیسرا قدم اٹھائیں گے اور وہ یہ ہے کہ اپنے مختص کردہ کلام میں اہم الفاظ تلاش کریں گے۔ جب اہم الفاظ تلاش کر لیے تو اس کے معانی جاننے کے لیے مختلف لغات سے مدد لیں گے اور ان الفاظ کی معانی تلاش کریں گے۔

چوتھا کام: موضوع اور مرکزی خیال:

اس کے بعد چوتھا قدم یہ اٹھائیں کہ اس مختص کردہ کلام کا موضوع اور مرکزی خیال کیا ہے۔؟ اس میں بعض دفعہ ایک ہی جگہ کئی مضمون اور مرکزی خیالات سامنے آئیں گے۔ جیسے سورۃ فاتحہ کو ہی لے لیجیے کہ اس میں بعض کے نزدیک مرکزی مضمون دعا ہے، بعض کے نزدیک اس سورۃ کا مرکزی مضمون اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اسی طرح بعض علماء مرکزی مضمون بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان عبادت اور استعانت کا تعلق یعنی "توحید" کو بیان کرتے ہیں۔

پانچواں... سوالات اور نکات :

اس کے بعد پانچواں قدم سوالات کو اٹھائیں ۔ کیونکہ سوال علم کی کنجی ہے۔ جیسے یہ سوال اٹھائیں کہ سورۃ فاتحہ میں حمد کو کیوں پہلے لایا گیا ہے ؟اسی طرح اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات کیوں ذکر کی گئی ہیں ؟اس میں کیا ترتیب ہو سکتی ہے؟

چھٹا : تفاسیر کا مطالعہ :

اس کے بعد چھٹا قدم یہ ہے کہ اب تفاسیر کو اٹھالیں اور اس میں اپنے سوالات کے جوابات ڈھونڈ لیں۔ اس کام کے کرنے کے بعد پہلا مرحلہ پورا ہو جائے گا اور کلام سمجھ میں مکمل طور پر آجائے گا۔اس کے بعد دوسرا مرحلہ شروع ہوگا یعنی تفہیم کا۔تو اس کے لیے حاضرین کی ضرورت کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔اگر اللہ تعالیٰ کی معرفت کو بیان کرنا ہے تو سب سے پہلے پانچ صفات کو اہمیت دیں اور اگر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو بیان کرنا ہے تو اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ پر زور دیں، اگر صراط مستقیم کے تعریف سمجھانی ہے تو اس پر زور دیں۔

حاضرین کے زبان کو بھی مد نظر رکھنا ہوگا تاکہ حاضرین بات کو جلدی سمجھ سکیں۔ اپنے وقت کا بھی خیال رکھنا ہوگا۔اس کے لیے یہ بات ذہن میں رکھنی ہو گی کہ مجھے کلام کا آغاز کیسے کرنا ہوگا ؟اور اس کا اختتام کیسے کرنا ہوگا؟تو مطلب یہ ہے کہ جو وقت آپ کو دیا گیا ہے اس کو تقسیم کرلیں۔

کتنا وقت تمہید کو دینا ہے؟

پھر کتنا وقت مقصود پر بات کرنا ہے؟

اور اختتام کن باتوں سے اور کتنے وقت میں کرنا ہے؟

استعداد اور لوگوں کی ذہنی سطح کو مد نظر رکھتے ہوئے بات کرنی چاہیے۔

اپنی بات کو آسان زبان میں سمجھانی چاہیے۔

جب ان تمام باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے درس دیا جائے گا تو سامعین کے دلوں میں بیان کا اثر ہوگا اور وہ قرآن کے معانی، مفاہیم، مطالب اور تفسیر کو آسانی سے سمجھ سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام باتوں کی توفیق عطاء فرمائیں۔آمین

درس قرآن کے بنیادی اصول

ا...درس قرآن کے مقصد کا تعین کر لیجیے:

درس قرآن کی تیاری کے سلسلے میں سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ درس قرآن کا مقصد متعین اور واضح ہونا چاہیے:

ا۔ اللہ کے بندوں کو، اللہ کے کلام کے ذریعے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جوڑنا ہے۔ اللہ کا بندہ بنانا ہے۔

۲۔ قرآن کریم، انبیائے کرام اور بالخصوص جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت لوگوں تک پہنچانا ہے۔

۳۔ عقائد کی اصلاح اور اعمال و اخلاق کو سنتِ نبویہ کے مطابق ڈھالنا ہے۔

۴۔ نفوس کا تزکیہ، معاشرے کا تزکیہ اور اپنی سامعین کی اصلاح کرنا ہے۔

۵۔ لوگوں کو نیک کاموں کی طرف راغب کرنا اور گناہ چھوڑنے پر آمادہ کرنا ہے۔

٦۔ لوگوں میں اللہ کی صفات اور آخرت کی جزا و سزا کے تصور کو راسخ کرنا ہے۔

مکی سورتوں میں صفاتِ الٰہی اور تذکرہ جنت و دوزخ سے عقیدہ توحید کو جوڑا گیا ہے جبکہ مدنی سورتوں میں تمام اجتماعی احکام کے ساتھ صفاتِ الٰہی اور ثواب جنت و عذاب دوزخ کو مربوط کیا گیا ہے۔

۲...اپنی صحیح حیثیت کا تعین کر لیجیے:

مدرس اپنی حیثیت کے بارے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔ وہ بنیادی طور پر ایک داعی، مبلغ اور طالب علم ہے۔ وہ مفسرِ قرآن، محدث یا فقیہ اور مجتہد نہیں ہے۔ اپنی حیثیت کا صحیح احساس و شعور، مدرس کو بے شمار فکری اور عملی غلطیوں سے ان شاء اللہ محفوظ رکھے گا۔ ہمارے ایک صاحبِ علم مفتی دوست، جو سند یافتہ مفتی ہیں، خود کو مفتی کی بجائے ناقل کہتے

ہیں۔ اور فرماتے ہیں ”کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو میں کسی کتاب سے نقل کر دیتا ہوں“۔ یہ احتیاط کی علامت ہے۔

۳... تیاری کے بغیر درس نہ دیجیے:

بھرپور تیاری کیجیے۔ بغیر تیاری کے درس نہ دیجئے۔اس کے لیے اس قدر محنت ہو کہ لوگ قلبی سکون و اطمینان کے ساتھ تازگی اور فرحت محسوس کریں۔ سامعین سمجھیں کہ یہ بات تو ہم نے پہلی بار سنی ہے یا یہ آیت ہم نے بار بار پڑھی لیکن اس پہلو سے اس پر کبھی غور نہیں کیا۔ یا اس درس سے ہم میں عمل کا جذبہ پیدا ہوا ہے۔ کوئی بات غیر مستند اور بلا حوالہ نہ ہو لیکن درس میں جدت اور انفرادیت ہو۔

۴... جملہ معترضہ طویل نہ ہونے پائے:

کوشش کریں کہ جملہ معترضہ طویل نہ ہونے پائے۔ مثلاً دوران درس قرآن، واقعہ فرعون و موسیٰ میں آپ نے مصر کا ذکر کیا، ضمناً قاہرہ کا ذکر آگیا، قاہرہ سے بات جامعہ ازھر تک جا پہنچی۔ اس طرح آپ اصل موضوع سے دور نکل جائیں گے۔ اس کمزوری سے صرف اسی صورت بچا جا سکتا ہے، جب نگاہ مقصد پر مرکوز ہو۔

۵... مستند واقعات بیان کیجیے:

موضوع احادیث، غیر مستند واقعات، من گھڑت مذہبی داستانیں، غیر معتمد اخباری مضامین اور بلا سند باتوں سے پرہیز کیجیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبردار کیا ہے:

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ۔ [مسلم]

”آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات، بیان کر ڈالے“۔

٦... لفّاظی سے اجتناب کیجیے:

سادہ اور عام فہم زبان استعمال کیجیے! ثقیل اور نامانوس الفاظ سے پرہیز کیجیے! اس سے آپ کی علمیت اور زبان دانی کی دھاک تو بیٹھ سکتی ہے، عوام کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح مقفّٰی، مسجّع الفاظ سے گریز کیجیے۔ مثلاً قرآنِ مجید کے ساتھ فرقانِ حمید اور فرزند بتول کے

ساتھ جگر گوشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے الفاظ کا اضافہ۔

اصل چیز سوزِ قلب اور دعوتِ عمل ہے۔ لفظ سے زیادہ معانی پر نگاہ ہو۔ اپنی خطابت کا ڈنکا بجانے کے بجائے لوگوں کی زندگی میں عملی انقلاب برپا کرنا پیش نظر ہو اور دوسری بات یہ کہ آپ تقریر نہیں کر رہے، بلکہ یہ درس ہے درس میں خطیبانہ انداز اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

۷... گفتگو کو نکات میں تقسیم کر لیجیے!

آپ کا اسلوبِ درس سائنٹیفک ہونا چاہیے۔ یعنی درس کا خاکہ بنا کر مرتب نکات میں تقسیم کر لیجیے۔ پھر باری باری تمام نکات کو ان کی اہمیت کے مطابق بیان کرتے جائیے۔

۸... تکلف سے بچیے!

دورانِ درس کوئی شعر، حکایت یا لطیفہ وغیرہ بلا تکلف یاد آجائے تو سنا دیجیے، لیکن کسی شعر وغیرہ کو بغیر مناسبت کے بزور منطبق کرنے کی کوشش نہ کیجیے۔ بقول اقبال:

مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسن معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی

حسنِ صوت نعمتِ خداوندی ہے اس سے بھرپور کام لیجیے، لیکن اگر آواز میں ترنم نہیں ہے تو تکلف کے ساتھ ترنم پیدا کرنے کی کوشش نہ کیجیے۔

۹... اپنی ذات کے لیے کچھ نہ مانگیے:

اپنی ذات کے لیے کچھ نہ مانگیے۔ مدرس جب دست سوال دراز کرتا ہے تو اس کی ساری تاثیر ختم ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں کئی پیغمبروں کی زبان سے کہلوایا گیا:

وَمَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ، اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ [شعراء]

”اور میں اس خدمت پر تم سے کسی اجر کا طلب گار نہیں ہوں۔ میرا اجر تو پروردگار کائنات کے ذمے ہے“۔

اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہے:

مَن قَرَاَ القُراٰنَ فَلیَسألِ اللهَ بِهٖ فَاِنَّهُ سَیَجِیُٔ اَقوَامٌ یَقرَءُونَ القُراٰنَ یَسألُونَ بِهٖ النَّاسَ
[ترمذی]

"جو شخص قرآن پڑھے، اسے چاہیے کہ اللہ ہی سے مانگے، اس لیے کہ عنقریب ایسے افراد پیدا ہوں گے جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے مانگیں گے"۔

ایک دوسری حدیث میں نہایت سخت وعید سنائی گئی ہے:

مَن قَرَاَ القُراٰنَ یَتَاَکَّلُ بِهٖ النَّاسَ، جَاءَ یَومَ القِیَامَةِ وَوَجهُهٗ عُظمٌ لَیسَ عَلَیهِ لَحمٌ۔
[بیہقی]

"جو شخص قرآن پڑھے اور اس کے ذریعے لوگوں سے کھائے، وہ شخص قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا چہرہ صرف ہڈی ہوگا۔ چہرے پر گوشت نہیں ہوگا"۔

۱۰...اہم بات کو تین مرتبہ دہرائیے:

اہم بات کو تین مرتبہ دہرانا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ خلاصہ مضمون، درس کے آغاز میں پہلے بیان کیجیے، پھر اس کی تشریح کیجیے اور آخر میں خلاصہ مضمون کا اعادہ کیجیے۔ اس طرح بات تین مرتبہ سامعین تک پہنچ جائے گی اور سامعین کے ذہن پر نقش ہو جائے گی۔ حدیث انس رضی اللہ عنہ میں ہے:

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهُ کَانَ اِذَا تَکَلَّمَ بِکَلِمَةٍ، اَعَادَهَا ثَلَاثًا حَتّٰی تُفهَمَ عَنْهُ۔ [بخاری]

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب گفتگو فرماتے تو بات کو تین مرتبہ دہراتے یہاں تک کہ ان کی بات پوری طرح واضح ہو جاتی"۔

۱۱...ہر ہفتہ ایک نیا موضوع منتخب کیجیے:

ہفتہ وار درس میں مدرس کے مضامین متنوع ہوں، یک رنگی نہ ہو، ایسا نہ ہو کہ آپ سال کے باون ہفتوں میں ایک ہی موضوع پر درس دیں۔ اس طرح آپ کے درس میں لوگوں کی دلچسپی بتدریج کم ہوتی جائے گی۔ اسلام ایک جامع دین ہے۔ یک رنگی کا مطلب یہ ہوا کہ آپ

کا مطالعہ اور آپ کی صلاحیت دونوں ناقص ہیں اور آپ اپنی صلاحیتوں کو نکھارنا نہیں چاہتے۔

اس مضمون کے آخر میں آپ کی آسانی کے لیے متعدد موضوعات اور ان کی مناسبت سے آیات دی گئی ہیں۔

۱۲...اپنے ظاہر کو شائستہ بنائیے:

مدرس کا حلیہ اور لباس سنت کے مطابق اور رویہ شائستہ اور اخلاق نبویہ سے آراستہ ہو۔ دنیا کا قاعدہ ہے، مظروف کے مطابق ظرف بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح مدرس کا لباس اور رویہ بھی درس قرآن کی اثر انگیزی میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ نیز مدرس کو چاہیے کہ وہ سامعین کی نفسیات کو پیش نظر رکھے۔ سوال جواب کی محفل میں برانگیختہ نہ ہوں، بلکہ تحمل مزاجی سے کام لیں۔ دوران درس، پان، چھالیہ وغیرہ کا استعمال نہ کیجیے اور نہ ہی سر اور بدن کھجائیے۔ اس طرح کی غیر شائستہ حرکات سے گریز کیجیے۔

۱۳...اپنے باطن کو ظاہر سے بہتر کیجیے:

ہمارا باطن، ہمارے ظاہر سے بہتر ہونا چاہیے۔ اگر ظاہر اچھا ہے اور باطن خراب تو پھر اس کا شمار ریاکاری میں ہوگا۔ اس کے برعکس اچھے باطن کے ساتھ اچھا ظاہر ریاکاری نہیں بلکہ شہادت کہلائے گا۔ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خوبصورت دعا سکھائی ہے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ سَرِیْرَتِیْ خَیْرًا مِنْ عَلَانِیَتِیْ، وَاجْعَلْ عَلَانِیَتِیْ صَالِحَۃً۔ [ترمذی]

”اے اللہ! میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنادے اور میرے ظاہر کو نیک بنادے“

درس قرآن محض توسیع دعوت، حصول جنت اور خوشنودی پروردگار کی نیت سے دیا جائے۔ نیت کی درستگی، ہر عمل کی قبولیت کے لیے ایک بنیادی ضرورت ہے۔ مدرس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ریاکاری سے بچے اور ریاکاری سے بچنے کے لیے اللہ کی مدد طلب کرے۔ اسے نہ شہرت کی خواہش ہو اور نہ مال و دولت کی۔ ہوس کا شکار ہو اور نہ جاہ و منصب کا طالب۔ ستائش کی تمنا ہو اور نہ صلے کی پروا۔ اسے اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے:

ہوس چھپ چھپ کے سینے میں بنا لیتی ہے تصویریں

مدرس کی ہمیشہ یہ دعا ہونی چاہیے:

اَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِیْ مِنَ النِّفَاقِ، وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ، وَلِسَانِیْ مِنَ الْکِذْبِ

"اے اللہ میرے دل کو نفاق سے، میرے عمل کو دکھاوے سے اور میری زبان کو جھوٹ سے پاک کردے"۔

۱۴... مقصدیت کو ہمیشہ پیش نظر رکھیے:

مکی سورتوں کا درس دیتے ہوئے اس بات کا خاص خیال رکھیے کہ اس کے ذریعے عقیدہ توحید، عقیدہ رسالت اور عقیدہ آخرت کو راسخ کرنا ہے۔ اللہ کی ذات اور صفات اس طرح واضح کرنا ہے کہ لوگ اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں اور اس کی رحمت کے امیدوار ہو کر جنت کے طلب گار بن جائیں۔ جذبہ جہاد اور اخلاق فاضلہ کی آبیاری کرنی ہے۔ لوگوں کو صبر واستقامت اور ثابت قدمی کے جذبات کو پروان چڑھانا ہے۔ دعوت کی مخالفت کے ماحول میں ہمت بلند رکھنی ہے۔ حیات بعد الموت اور ملاقات رب کے تصور کو قلوب واذہان میں پختہ کرنا ہے۔

مدنی سورتوں کا درس [جیسا کہ قرآن مجید کا اسلوب ہے] معاشرت، معاملات اور عدل اجتماعی وغیرہ کے احکام کو آخرت کے عذاب و ثواب کے ساتھ مربوط کرتے ہوئے دیجیے۔ لوگوں میں احکام پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا کیجیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سامعین کو یہ تو یاد رہے کہ قرآن، یہود و نصاریٰ اور مشرکین و منافقین سے کیا کہتا ہے لیکن یہ سمجھ نہ آئے کہ قرآن خود ان سے کیا کہتا ہے؟

۱۵... حالات حاضرہ پر تبصرہ کیجیے:

شانِ نزول اور ربط پر [چند مخصوص مقامات کے علاوہ جہاں اس کے بغیر آیت کا سمجھنا ممکن نہیں] زیادہ زور نہ دیجیے۔ یہ نکات خواص کے لیے ہوتے ہیں۔ عوام کو تو قرآن کی ہدایت ونصیحت اور عبرت و موعظت کی ضرورت ہے۔ ان کے سامنے [مخصوص مواقع کے علاوہ] شانِ نزول بیان کرنے کی بجائے درس قرآن کے مضمون کو موجودہ دور اور حالات حاضرہ سے

جوڑیے اور قرآنِ کریم کے تبصروں کو آج کے معروضی حقائق پر منطبق کرنے کی کوشش کیجیے، یعنی قرآن کی عصری تطبیق پیش کرنی چاہیے۔ لوگوں کو بتایئے کہ قرآن آج کے دن ہمیں کیا کہتا ہے؟ اس وقت دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ پرانے دور کے کافروں کی سازشیں ایسی تھیں اور آج کے کافروں کی سازشیں کیسی ہیں؟ پرانے زمانے کے منافق کیسے تھے اور موجودہ دور کے منافق کیسے ہیں؟ پرانے دور کے مسلمان کیسے تھے اور ہم کیسے ہیں؟ ماضی کے طاغوت کون تھے اور اس دور کے طاغوت کون ہیں؟ لوگوں کو بتایئے کہ قرآن ان مشکل حالات میں ہمارے لیے کیا لائحہ عمل تجویز کرتا ہے؟ یہ زندہ جاوید کتاب اس خلائی دور میں ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے؟ درس قرآن لوگوں کو جگانے والا ہو، خواب غفلت میں مبتلا کرنے والا نہ ہو۔ عمل کے لیے آمادہ کرنے والا ہو، محض سماع کی محفل نہ ہو۔

۱۶...اکتاہٹ نہ ہونے دی جائے:

مدرس، سامعین کی نفسایت کو ملحوظ رکھے۔ ایک آدمی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے [جو ہر جمعرات کو درس دیا کرتے تھے] درخواست کی کہ ہمیں روز نصیحت کیا کیجیے! آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں روز تنگ کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ لوگوں کے اکتا جانے کے خوف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دن نصیحت کے لیے مخصوص کر لیتے تھے۔

اس لیے درس مساجد میں ہو، ہال میں یا کسی گھر میں، اس کی ترتیب ایسی بنائی جائے کہ لوگوں کی دلچسپی کم نہ ہونے پائے۔

۱۷...سوالات کا موقع دیجیے:

درس کے آخر میں حاضرین کو سوالات کا موقع دیجئے۔ اپنی بات سنانے کے بعد حاضرین کی بات سننے کا فن بھی سیکھیے۔ جب تک سامعین کے ذہنوں میں اٹھنے والے سوالات کا تشفی بخش جواب نہ دیا جائے گا ان کی تسلی نہیں ہو گی اور درس قرآن کی نافعیت ادھوری رہ جائے گی۔ اس کی ترتیب یہ ہو سکتی ہے۔

۱۔ پہلے درس کے متعلق براہ راست سوالات۔

۲۔ پھر عمومی دینی سوالات۔

۳۔ پھر محفل کے اختتام پر ایک ایک سائل کو نجی سوالات پوچھنے کا موقع دیا جائے۔

یاد رہے کہ سوالات کے دوران محفل درس کا تقدس برقرار رکھنا کامیاب مدرس کی پہچان ہے۔ محفل کا تقدس پامال نہ ہونے دیجیے! حاضرین کو زبانی سوال کا موقع دینے کے بجائے پرچیاں تقسیم کیجیے! پرچی کے بغیر جواب نہ دیجیے! اس میں متعدد فوائد ہیں۔ جس پرچی کا جواب ذہن میں مستحضر نہ ہو اسے روک لیجیے اور اگلے دن [یا اگلے درس میں] مطالعہ و مراجعت کے بعد اس کا تسلی بخش جواب دیجیے۔

مدرس قرآن کے لیے پانچ اہم ہدایات

درس قرآن سمجھنے اور سمجھانے کے لیے مندرجہ ذیل پانچ اصولی باتوں کا خیال رکھیے:

ا... نظم کلام کو ملحوظ رکھیے اور مرکزی مضمون تلاش کیجیے:

ہر سورت کا ایک عمود، یعنی مرکزی مضمون ہوتا ہے۔ اسی مرکزی مضمون کے ارد گرد تمام آیات گھومتی ہیں، اسے تلاش کیجیے! مثلاً سورۃ فاتحہ کا مرکزی مضمون اور دعویٰ توحید ہے سورۃ البقرۃ کا مرکزی مضمون عند البعض امامت کی تبدیلی ہے۔ یعنی بنی اسرائیل کو دو ہزار پانچ سو سالہ امامت و قیادت سے معزول کرکے یہ ذمہ داری بنی اسماعیل یعنی امت مسلمہ کو دے دی گئی ہے۔ یا پھر سورۃ التین کا مرکزی مضمون اثبات قیامت ہے۔ ہر سورت کا ایک نظم جلی [Micro-structure] ہوتا ہے۔ اس کو سمجھ کر سمجھانے اور دلوں میں اتارنے کی کوشش کیجیے۔

۲... سورت کے ہر لفظ کو انگلی پکڑ کر چلیں:

سورت کے ہر لفظ کو انگلی پکڑ کر چلیں، جیسے والتین کے بعد والزیتون کیوں آیا ہے؟ والزیتون کے بعد وَ طُوْرِ سِیْنِیْنَ کیوں آیا ہے؟ اور وطور سنین کے بعد وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنَ کیوں آیا ہے؟ ان چار چیزوں کا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ سے کیا تعلق ہے؟ جب آپ لفظ کو لفظ سے جوڑنے کے فن پر مہارت حاصل کرلیں گے تو اس کے نتیجے میں نظم خفیف کی دولت آپ کے ہاتھ آئے گی۔ یہاں انتہائی عاجزی اور معذرت کے ساتھ عرض کرنا پڑ رہا ہے کہ ہماری برادری کے بیشتر فارغ التحصیل طلبہ صحیح ترجمہ کرنے کی صلاحیت تو حاصل کرلیتے ہیں، لیکن لفظ کو لفظ سے اور آیات کو آیت سے اور پیراگراف کو پیراگراف سے جوڑنے کے فن سے ناواقف رہتے ہیں۔ اس بناء پر ان کا درس مقبول نہیں ہوتا، جبکہ پروفیسر، اسکالر اور ڈاکٹر حضرات اس چیز کا خیال رکھتے ہیں یا وہ علماء جو اس فن سے واقف ہیں اس کا اہتمام کرتے ہیں جو ان کے درس کی مقبولیت کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے۔ نظم قرآن کو سمجھنے کے لیے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی تفسیر "بیان القرآن" شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ کی تفسیر جواہر القرآن اور شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمہ اللہ کی سمط الدرر بے نظیر و بے مثال ہیں۔ان حضرات نے جس طرح آیت سے آیت اور لفظ سے لفظ کا اور سورۃ کا سورۃ کے ساتھ نظم سمجھایا ہے، اس کی مثال نہیں ملتی۔آپ اس کا کچھ عرصے مطالعہ رکھیں تو خود بخود اس فن کا ذوق اور ملکہ پیدا ہو جائے گا۔

۳... صفات الٰہی پر غور کیجیے:

قرآن میں شروع سے آخر تک صفات الٰہی جا بجا پائی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام الاسماء الحسنٰی [صفات پر مبنی حسین و جمیل نام] موتیوں کی طرح پیوست ہیں۔ان صفات الٰہی پر غور کیجیے کہ یہ مخصوص صفت اس خاص جگہ پر کیوں استعمال ہوئی ہے؟ مثلاً:

۱۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔

۲۔ لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ

۳۔ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ

۴۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ

۵۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا

مندرجہ بالا آیت کو ہم نے آپ کی سہولت کے لیے پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔غور کیجیے کہ ان چار حصوں کا آپس میں کیا ربط ہے؟

مندرجہ بالا آیت میں باطل تجارت کا باہمی رضا مندی سے کیا تعلق ہے؟ اور باطل تجارت کا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ سے کیا تعلق ہے؟ مندرجہ بالا آیت کے آخر میں رحیم کی صفت الٰہی کیوں استعمال کی گئی ہے؟

۴... قرآن کے انذار و تبشیر پر ہمیشہ نظر رکھیے:

قرآن کتابِ انذار بھی ہے اور کتاب تبشیر بھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا گیا۔قرآن دنیاوی کامیابیوں اور اُخروی و ابدی فلاح و فوز کی بار بار بشارت دیتا ہے اور

دنیاوی عذاب اور اخروی وابدی عذابِ جہنم سے بار بار ڈراتا ہے تاکہ لوگ صحیح عقیدہ، صحیح طرز عمل، صحیح رویے اور اعمالِ صالحہ اختیار کرلیں۔ یہ بات مدرس قرآن ہمیشہ پیش نظر رکھے۔

قرآن کریم کی عبرت و موعظت اور حکمت و ہدایت کو سمجھنے کے لیے عربی میں شیخ ابو بکر جابر جزائری کی ایسر التفاسیر اور اردو میں مولانا محمد اسلم شیخوپوری کی تسہیل البیان بہت مفید ہیں۔

۵... مقصد پر نگاہ رکھیے، غیر ضروری تفصیلات سے بچیے:

مدرس قرآن کو چاہیے کہ وہ مقصد پر نگاہ رکھے اور غیر ضروری تفصیلات سے بچے۔ قرآن شروع سے آخر تک، اپنی ہر بات کو زیادہ تر اخروی جزا اور سزا کے ساتھ جوڑتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ تاریخ سے استدلال کرتے ہوئے قوموں کے عروج و زوال کے اسباب کی نشان دہی بھی کرتا ہے۔ یہ بات ہمیشہ نظر میں رکھیے۔ قرآن کی نگاہ غیر ضروری تفصیلات سے زیادہ مقاصد اور تزکیے پر ہوتی ہے۔ اصحاب کہف کی تعداد اور ان کے غار کے محل وقوع وغیرہ کے متعلق مختلف اقوال سے آخر کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟ ان چیزوں میں الجھنے سے قرآن کا اصل پیغام نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔

قرآن کتاب دلائل ہے:

قرآن ایک کتاب دلائل ہے۔ ایک غیر مسلم اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو آپ دلیلوں کے ذریعے ہی قائل کر سکتے ہیں۔ داعی، مبلغ اور مدرس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو دلائل کے ہتھیاروں سے مسلح کرے۔ دلائل کے بغیر آپ دعوت کے میدان میں اتریں گے تو آپ پر یہی پھبتی کسی جائے گی:

اس سادگی پر کون نہ مر جائے اے خدا!
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

قرآن، خود پر کیے جانے والے اعتراضات کو نقل کرتا ہے اور جوابی دلائل فراہم کرتا ہے۔ عقیدہ توحید پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کو نقل کرکے شافی جوابات دیتا ہے۔ حضرت

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منکرین نے ساحر، کاہن، مفتون، مجنون، مفتری، معلم؟ وغیرہ جیسے القابات سے نوازا۔ قرآن نے ان سب کا جواب دیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت پر اعتراض وارد کیا گیا۔ حسی معجزات کا مطالبہ کیا گیا۔ ان سب کا مسکت جواب فراہم کیا گیا۔

قرآن کے عقیدہ آخرت پر بے شمار سوالات اٹھائے گئے۔ قرآن نے ان سب کا مقابلہ کیا۔ دلائل کے لیے آیۃ [جمع آیات] کا لفظ کئی بار استعمال ہوا ہے۔ آیۃ سے مراد ہے یہ وہ چیزیں ہیں جن سے حقیقت کا سراغ ملتا ہے۔ قرآنی دلائل عقلی بھی ہیں اور نقلی بھی۔ آفاقی بھی ہیں اور انفسی بھی۔ بعض اوقات تاریخی دلائل سے بھی کام لیا گیا ہے۔ مدرسِ قرآن کو چاہیے کہ جب وہ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً یا اس جیسی ملتی جلتی آیات سے گزرے تو دو چیزوں کو ڈھونڈے۔

۱۔ اس مقام پر دلیل کی نوعیت کیا ہے؟ عقلی ہے، نقلی ہے، آفاقی ہے، انفسی ہے یا تاریخی؟

۲۔ اس مقام پر دلیل کا مقصد کیا ثابت کرنا ہے؟ اللہ کی وحدانیت، قدرت، قانون رسالت یا آخرت یعنی زندگی مابعد موت یا کوئی اور چیز؟

سائنسی دلائل:

یہ دور سائنس کا ہے۔ جدید سائنسی تحقیقات کی مدد سے بھی قرآن میں بیان کردہ آفاقی، انفسی اور تاریخی دلائل کو مزید واضح کیا جا سکتا ہے۔ البتہ مدرس قرآن پر دو چیزیں بالکل صاف ہونی چاہئیں:

۱۔ قرآن کلام الٰہی ہے اور ابدی اور حتمی صداقتوں پر مبنی ہے۔ جب کہ سائنس حقیقت کے سراغ میں ایک محدود انسانی سفر کا نام ہے۔ سائنس بدلتی رہتی ہے اور بدلتی رہے گی۔ جب کہ قرآن کبھی نہیں بدل سکتا اور نہ ہی قرآن کی کوئی بات غلط ثابت ہو سکتی ہے۔ سائنس کی اس حقیقت سے ناواقف اور دورِ جدید سے مرعوب حضرات قرآن مجید کی الٹی سیدھی تفسیر کرنے لگتے ہیں۔

طالبِ قرآن کے لیے ضروری ہے کہ وہ سائنس کے ثابت شدہ کلیات کو محض نظریات [Theories] سے الگ کرکے دیکھے۔ سائنس کی ہر بات پر ایمان نہ لائے۔ ڈارون کے باطل نظریات کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

حلفی دلائل:

قرآن مجید میں جو جابجا قسمیں کھائی گئی ہیں، وہ بھی دلائل یا آیات ہی کی ایک دوسری صورت ہیں۔

قرآن مجید میں لیل، نہار، تین، زیتون، عصر، فجر، ضحیٰ، عادیات، مرسلات وغیرہ کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔ یہ ساری قسمیں کسی نہ کسی حقیقت، قاعدے اور کلیے کو ثابت کرنے کے لیے کھائی گئی ہیں۔ مدرس قرآن کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ مقسم بہ [جس کی قسم کھائی گئی ہے] اور مقسم علیہ [جس کے لیے قسم کھائی گئی ہے] کے درمیان گہرا تعلق ہوتا ہے۔ ظاہر ہے وَالْعَصْرِ کا خسارے سے گہرا تعلق ہے۔ وَالْعَصْرِ کی جگہ وَالْفَجْرِ نہیں رکھا جاسکتا۔

سورۃ یٰسٓ کے آغاز میں حکمت والے قرآن کی گواہی اس لیے پیش کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگ سلسلہ رسالت کی آخری کڑی سمجھ کر ایمان لائیں۔ سورۃ الانشقاق میں شفق، رات، اور چاند کی گواہیاں اسی لیے پیش کی گئی ہیں تاکہ ثابت کیا جاسکے کہ انسان کو بھی مندرجہ بالا تین چیزوں کی طرح ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف سفر کرنا ہے۔ وہ کشاں کشاں، چاہے نہ چاہے اپنے رب کی طرف سفر کررہا ہے۔ سورۃ الطلاق میں زمین اور آسمان کی قسم یعنی گواہی اسی لیے فراہم کی گئی ہے کہ جس طرح آسمانی باد و باراں کے فیض سے زمین پھٹ کر لہلہانے لگتی ہے اسی طرح قرآن کے فیض سے بھی انسانی روحیں سیراب ہوں گی۔ قرآن مجید قول فیصل اور سنجیدہ کلام ہے، ہنسی مذاق نہیں۔

ایک منکرِ خدا، منکر رسالت اور منکر آخرت کو آپ ان دلیلوں ہی سے مطمئن کرسکتے ہیں جن کا وہ خود مشاہدہ کرتا رہتا ہے اور جن کا وہ خود قائل ہوتا ہے۔ جنت اور دوزخ کا مقصد جزا اور سزا ہے۔ جزاوسزا کے اس الٰہی قانون کو زمین، آسمان، بجلی، ہوا، بارش، سمندر وغیرہ کی آفاقی

دلیلوں سے ثابت کیا جاسکتا ہے، جو قرآن مجید میں جگہ جگہ موجود ہیں۔

درس قرآن کے لیے اوقات کار کی تقسیم:

درج ذیل جدول پر نظر ڈالیے اور دیکھیے کہ درس قرآن کے دورانیے کو کس طرح مختلف امور کے لیے تقسیم کیا گیا ہے؟ اور ہر حصے کے لیے کتنا وقت تجویز کیا گیا ہے۔

نمبر شمار	عنوان	منٹ	تفصیل
۱	تلاوت	۳	موضوع سے متعلق جامع آیات ترتیل، تجوید اور حسن صوت سے تلاوت
۲	ترجمہ	۳	کلام الٰہی کے شایان شان رواں، ادبی اور معیاری
۳	خلاصۂ موضوع	۱	نہایت اختصار سے خلاصہ بیان کرنا
۴	اصل موضوع پر گفتگو	۳۰	شائستہ بامعنی اور مقصدیت سے بھرپور
۵	خلاصہ کلام	۲	حاصل موضوع کا اعادہ
٦	ہمارے لیے پیغام	۵	سبق، عبرت اور دعوت دور حاضر پر تطبیق
۷	اختتامی دعا	۱	دعوت میں تاثیر اور خطیب وسامعین کی اصلاح
۸	سوال وجواب	۱۰	موضوع سے متعلق، عام، نجی
کل وقت			۵۵ منٹ

تنبیہ: عام لوگوں کے لیے درس قرآن کا دورانیہ [بشمول سوال وجواب] کسی صورت میں بھی ایک گھنٹے سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔

چند ضروری امور

[۱] کسی مخصوص سورت یا رکوع کا درس چاہے اس میں ایک سے زیادہ موضوع زیر بحث آئیں۔

[۲] کسی ایک موضوع یا عنوان پر مختلف مقامات سے لی گئی آیات قرآنیہ کا درس، مثلاً مومنین کاملین کے اوصاف، منافقین کی قباحتیں، عورتوں کے حقوق، جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ۔

مخصوص سورت یا رکوع کے درس کے لیے مندرجہ ذیل باتوں کو پیش نظر رکھیے:

ا...تلاوت:

مدرس، درس کا آغاز مختصر خطبہ اور تلاوت سے کرے۔ اور آواز میں ترنم ہو تو اللہ کی دی ہوئی اس نعمت کو دین کی دعوت میں دلکشی اور تاثیر پیدا کرنے کے لیے خوب خوب استعمال کرے۔ مدرسِ قرآن کو چاہیے کہ وہ کسی ماہر فن قاری سے تجوید کی مشق کر لے اور ترتیل، تجوید اور ممکنہ حد تک حُسنِ صوت کے ساتھ تلاوت کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لَیسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالقُرآنِ [بخاری]

"وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو اچھی آواز کے ساتھ قرآن نہیں پڑھتا"۔

۲...ترجمہ:

قرآن کا ترجمہ کلام الٰہی کے شایان شان ہو۔ زور دار ہو اور مفہوم کو پوری طرح واضح کرنے والا ہو۔ ترجمے کے سلسلے میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھیں؟

* ترجمہ معیاری ہو، لفظی نہ ہو۔
* ترجمہ ادبی اور شائستہ زبان میں ہو۔ اچھی زبان مہذب اور شائستہ ہونے کی علامت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم افصح العرب تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بازاری گفتگو یا غیر معیاری محاورہ نہیں سنا گیا۔
* متروک الفاظ استعمال نہ کیجیے۔ جیسے تلک، ہووے وغیرہ

* ثقیل اور نامانوس الفاظ یا پیچیدہ تراکیب واستعاروں سے گفتگو کو بوجھل نہ بنائے۔
جیسے: جزو لاینفک، دقیقہ فرو گزاشت، داد و دہش، امتثال اوامر، منکرات پر نکیر۔

* ترجمہ رواں ہو، تاکہ سامعین تک بنیادی بات پہنچ جائے مثلاً قال موسیٰ لقومہ کا ترجمہ یوں نہ کیجیے: ''کہا موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے اپنی''، بلکہ اس طرح کیجیے: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا''۔ یاد رکھیے! ایک زبان کا حسن ترتیب، دوسری زبان میں عیب بن جاتا ہے۔ تعقید، فہم میں حائل ہوتی ہے۔ دینی مدارس میں اساتذہ کرام ابتدائی عربی سیکھنے والے طلبہ کو نحوی، صرفی تحلیل اور لغوی تحقیق کے ساتھ جس طرح ترجمہ پڑھاتے ہیں، وہ مبتدی طلبہ کو زبان سکھانے کے لیے ہے۔ عوام کے سامنے اس طرز سے مکمل اجتناب کیا جائے، اس لیے کہ آپ کے سامعین صرف و نحو سے بالکل واقف نہیں ہیں۔ انہیں مضمون اور پیغام سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔

* ترجمہ بآواز بلند پڑھا جائے تاکہ سامعین پر کلام الٰہی کی ہیبت اور اس کا دبدبہ طاری ہو جائے۔

۳... پس منظر:

پس منظر، زمانہ اور شان نزول پر زیادہ وقت صرف نہ کیا جائے۔ یہ چیزیں مطالعے سے تعلق رکھتی ہیں۔ درس قرآن کا مختصر وقت اس قسم کی تفصیلات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ پس منظر کا ذکر صرف اتنا کیا جائے جتنا بات سمجھانے کے لیے ضروری اور ناگزیر ہو۔ قرآن کو ایک زندہ کتاب کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے شانِ نزول اور ربط پر زیادہ وقت صرف کرنے کے بجائے پیغام قرآنی اور عملی سبق پر زور دیتے ہوئے حالاتِ حاضرہ پر تطبیق کی جائے۔ سامعین کو محسوس ہو کہ قرآن کریم ہمارے گرد و پیش کے متعلق ہم سے ناصحانہ اور راہ نما گفتگو کرتا ہے۔

۴...مرکزی مضمون:

مرکزی مضمون یا عمود دراصل وہ بنیادی موضوع ہے جس کے ارد گرد ساری سورت گھومتی ہے۔ اگر آپ کسی طویل سورت کے ایک مخصوص پیراگراف یا مخصوص رکوع کا درس دینا چاہتے ہیں تو آپ اس پیراگراف اور اس رکوع کے مرکزی مضمون کا تعین کیجیے۔

مثلاً سورۃ التین کے سلسلے میں آپ یہ بتائیں گے کہ اس سورت کا مرکزی مضمون

۱۔ قیامت کے امکان کا جائزہ یا

۲۔ قیامت کے امکان پر دعوت فکر یا

۳۔ امکان قیامت کے عقلی اور نقلی دلائل ہے۔

چنانچہ اس سورت کا اختتام دو سوالات پر ہوا ہے، تاکہ انسان اس سورت پر غور و فکر اور تدبر کے بعد ان دونوں سوالوں کا اثباتی جواب دے سکے۔

۵...مشکل الفاظ کی تشریح:

مشکل الفاظ کی تشریح کے لیے "امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ" کی "مفردات القرآن" کو بنیاد بنایا جائے۔ مختلف تفاسیر سے بھی مشکل الفاظ کے معانی اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ ملے جلتے الفاظ اور مفاہیم کے لیے "مولانا عبد الرحمٰن گیلانی" کی کتاب "مترادفات القرآن" مفید ہے۔ یہ دونوں کتابیں آپ کے پاس موجود ہونی چاہئیں۔

۶...آیات کی تفسیر:

اب آپ ایک ایک آیت کی سلسلہ وار تشریح کرتے جائیے۔ آیات کے باہمی ربط کی وضاحت کیجیے۔ طویل آیت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے باہمی ربط کی وضاحت کیجیے۔ فوائد و نکات اور لطائف و معارف بیان کرنے کے ساتھ ساتھ درج ذیل چار چیزوں سے استفادہ کیجیے۔

* آیات:

آیات کی وضاحت کے لیے قرآن کی دیگر آیات پیش کیجیے جو اس موضوع اور مضمون سے براہ راست متعلق ہوں تاکہ تفسیر القرآن بالقرآن کا حق ادا ہو جائے۔

* **احادیث:**

آیات کی وضاحت کے لیے موضوع سے براہِ راست متعلق صحیح اور حسن احادیث پیش کیجیے۔ ضعیف اور موضوع احادیث سے گریز کیجیے۔

* **سیرتِ صحابہ رضی اللہ عنہ اجمعین:**

موضوع سے متعلق سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا سیرت صحابہ رضی اللہ عنہ اجمعین و سلف سے کوئی سچا واقعہ پیش کیجیے۔ قرآن کتابِ حق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبیٔ بر حق ہیں۔ قرآن و سنت اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی مصنوعی رنگ کے محتاج نہیں۔ واقعات میں نمک مرچ لگانے کی کوشش نہ کیجیے۔

* **اُسوۂ اسلاف:**

آپ کے پاس اکابرامت کے سچے واقعات، تابعین کی حکایات، بزرگان دین سے منقول لطائف و معارف اور اقوال قصص پر مشتمل مستند مواد موجود ہونا چاہیے جسے آپ وقتاً فوقتاً اپنے دروس میں استعمال کر سکتے ہیں۔

۷... وقت کی پابندی:

وقت مقررہ میں منتخب آیات کی یا سورت کی آخری آیت تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ کسی نکتے کو اتنا نہ کھینچے کہ بعد میں آپ کو وقت کی کمی کا احساس ہو اور آخر میں آپ ہاتھ ملتے رہ جائیں، افسوس! اصل بات تو کہی نہیں جا سکی۔

۸... موضوع سے وابستگی:

دورانِ درس دور دراز کی بجائے مرکزی مضمون پر ہی نظر رکھی جائے۔ کسی نکتے کی وضاحت کے لیے اگر دور جانا پڑے تو فوراً لوٹ کر آیت کے اصل مضمون کی طرف آجایئے۔

یاد رہے کہ ہر تفسیر کی ہر بات کو اپنی کاپی پر لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ دوران مطالعہ جو کچھ آپ نے تفاسیر میں پڑھا ہے وہ سب کا سب دہرانے کی حاجت۔ مثلاً بعض تفاسیر میں نحوی بحثیں ہوتی ہیں اور بعض میں فقہی اجتہادات ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض تفاسیر میں مختلف

قراءتوں کی تفاصیل اور صوفیانہ رموز و اشارات بھی پائے جاتے ہیں۔ ان تمام تفصیلات کا عوام الناس کے سامنے رکھنا مناسب نہیں۔ آپ کے سامنے صرف دعوتی پہلو نمایاں رہنا چاہیے جس کے نتیجے میں لوگوں کے عقائد و اخلاق اور عملی زندگی میں انقلاب برپا ہو جائے۔

۹...خلاصہ کلام:

دو منٹ کے اندر پورے مضمون کا خلاصہ یعنی حاصل مضمون لوگوں کے سامنے رکھیے۔ دراصل یہ مرکزی مضمون دعویٰ اور عمود کا اعادہ ہوگا۔

۱۰...آخری پیغام:

خلاصے کے بعد لوگوں کو یہ بتائیے کہ اس مضمون میں میرے اور آپ کے لیے کیا پیغام ہے؟ اور ان ہدایات کی روشنی میں ہم اپنے باطن اور اپنے ظاہر کو کس طرح بہتر بنا سکتے ہیں؟ معاشرے میں کون سی تبدیلیاں ناگزیر ہیں؟ خدائی ہدایات کی روشنی میں ہمارا طرز عمل کیا ہونا چاہیے؟

۱۱...اختتامی کلمات:

درس قرآن کا اختتام دعائیہ کلمات پر کیجیے۔ ان میں توبہ و استغفار، صراط مستقیم پر استقامت، فہم و عمل بالقرآن کی توفیق اور جہاد فی سبیل اللہ بالنفس والمال اور خاتمہ بالخیر کے متعلق دعائیہ کلمات کہیے۔ اس سے لوگوں کی ذہن سازی ہوتی ہے اور وہ اچھا تاثر لے کر اٹھتے ہیں۔

درس کی مقبولیت کیسے؟

آپ کا کام الحمد اللہ مکمل ہوا لیکن اس میں بہتری کے بے شمار امکانات موجود ہیں۔ درج ذیل چند باتوں سے آپ کے درس میں نافعیت اور قبولیت زیادہ سے زیادہ پیدا ہونے کا قوی امکان ہے۔ ان کو اپنا کر محنت کرتے رہیے اور یاد رکھیے کہ اس کائنات میں ثبات صرف تغیر کو ہے۔ یعنی جب کوئی چیز ترقی نہیں کر رہی ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہے وہ تنزل کی طرف جا رہی ہوتی ہے۔ اگر خدانخواستہ آپ کی قابلیت اور قبولیت میں اضافہ نہیں ہو رہا تو وہ ایک دن صفر کی سطح پر پہنچ جائے گی۔ آیئے! دیکھتے ہیں کہ آپ اپنے درس کی محفل کو کس طرح مقبول و نافع

بنا سکتے ہیں:

۱۔ قرآن اور قرآنی علوم سے شغف پیدا کیجیے۔ اسے اپنا اوڑھنا بچھونا اور حرزِ جان بنایئے۔ حتیٰ کہ تفسیر پر مہارت کے ساتھ آپ کا اخلاق و کردار بھی قرآنی تعلیمات کا عملی نمونہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ یہ دولت ہم سب کو نصیب فرمائیں۔ جب قرآن دل کا شوق اور روح کی تسکین بن جائے گا تو قرآن کریم سے ملنے والی ہدایات اور عملی زندگی میں پیغام کو واضح کرنا آسان اور من پسند مشغلہ بن جائے گا۔

۲۔ اردو زبان سے اپنا تعلق مضبوط کیجیے اگر درس اردو میں ہو۔ شائستہ اور معیاری و مہذب زبان بولنے کی عادت ڈالیے۔ بڑے خطیبوں کو سنیے۔ بڑے ادیبوں کی تحریروں کو غور سے پڑھیے اور کام کے الفاظ و تراکیب کو نوٹ کرکے اپنی گفتگو میں استعمال کیجیے۔

۳۔ اپنی گفتگو کی درج ذیل تین چیزوں کے ساتھ مطابقت پیدا کیجیے:

* جسم کی حرکات و سکنات۔
* چہرے کے تاثرات۔
* آواز کا اتار چڑھاؤ۔

۴۔ خارجی مطالعہ بڑھایئے۔ دنیا میں کیا کچھ ہو رہا ہے؟ کون سی نئی ایجادات و نظریات سامنے آرہے ہیں؟ مسلمانوں پر فکری و سیاسی حملے کس عنوان سے ہو رہے ہیں؟ مستشرقین اور ان کے آلہ کار اسکالر کس طرح بھیس بدل بدل کر مسلمانوں کے بچے کھچے ایمان و عمل کی تخریب کی فکر میں ہیں؟ جب تک آپ کو یہ سب کچھ معلوم نہ ہو گا اس وقت تک آپ اپنے سامعین کی قرآنی تعلیمات کی روشنی میں رہنمائی نہیں کر سکتے اور جب تک آپ ایسا نہیں کریں گے آپ نہ تو اللہ و رسول کا حق ادا کرسکیں گے نہ قرآن کا اور نہ اپنے ان مقتدیوں اور پیروکاروں کا جو آپ سے اپنی رہنمائی کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ لہٰذا خدارا نصابی اور درسی مطالعے پر اکتفا نہ کیجیے۔ کام کی خبروں، مشہور

کالم نگاروں، معلوماتی کتابوں اور نئی تحقیقات کو پڑھیے اور ان کا خلاصہ بطور یادداشت ایک کاپی میں نوٹ کرتے رہیے۔

۵۔ آخری بات یہ ہے کہ درد دل پیدا کیجیے۔ کسی سچے اللہ والے سے اصلاحی تعلق قائم کیجیے اور کسی ماہر مخلص شیخ سے تربیت حاصل کیجیے۔ اپنے باطن کے تزکیہ و تحلیہ کی فکر کیجیے اور پھر اپنے سامعین کی نظری و عملی اصلاح کی کڑھن اور تڑپ کے ساتھ کام کیجیے۔ دیکھیے کچھ عرصے میں ایمان کی کیسی بہار آتی ہے۔

موضوعاتی درس قرآن کے لیے چند مجوزہ موضوعات

عقیدہ:

* توحیدِ ذات
* توحیدِ صفات
* تشریعی توحید، توحید حاکمیت
* رسالت اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم
* آخرت [برزخ، حشر، جنت، دوزخ]
* آخرت اور ایمان کا تعلق

عبادات:

* نماز * روزہ * حج * زکوۃ
* جہاد * قربانی * تلاوت * ذکر
*استغفار

معاشی مسائل:

قرآن کی معاشی تعلیمات، حلال ذرائع آمدنی، خرچ میں اعتدال، اسراف، بخل

معاشرت:

بیوی، بچوں، والدین اور رشتے داروں کے حقوق، نکاح، طلاق، خلع، ہبہ، وصیت، وراثت

حدود وسزائیں:

زنا، قصاص، قتل، قذف، چوری، ڈاکہ وغیرہ

اخلاقیات:

غیبت، چغلی، حسد، بہتان، تمسخر، تجسّس، حلم، تواضع، عفو ودر گزر، احسان، کظم غیظ [غصہ پر قابو پانا]

معاملات:

تجارت، شراکت، مضاربت، اقساط، سود، انشورنس، مارک اپ، قرض، رشوت، شیئرز۔

نظم اجتماعی:

امارت، شورائیت، نظم و نسق، جہاد ، سمع و طاعت، داخلہ پالیسی، خارجہ پالیسی، ذمیوں کے حقوق، آزادی اظہار رائے، بنیادی حقوق، سفارش، اقربا پروری، ملوکیت۔

جامع مضامین:

قرآن مجید کے بعض مقامات پر ایک ہی پیرا گراف میں کئی مضامین آئے ہیں۔آپ کی سہولت کے لیے ہم یہاں پانچ مقامات کی نشاندہی کر رہے ہیں۔آپ درس قرآن کے لیے ان حصوں کو بھی منتخب کر سکتے ہیں۔

۱۔ سورۃ بنی اسرائیل [آیات: ۲۳تا۳۹]

۲۔ سورۃ الفرقان [آیات: ۶۳تا۷۱]

۳۔ سورۃ المومنون [آیات: ۱تا۱۱]

۴۔ سورۃ لقمان [آیات: ۱۳تا۱۹]

۵۔ سورۃ الانعام [آیات ۱۵۱تا۱۵۵]

و آخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین۔ امین

اقول قولی ھٰذا استغفر اللہ لی و لکم و لسائر المسلمین۔ امین یا ربّ العٰلمین اللّٰھم تقبل منا بقبول حسنٍ۔ امین